

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

1430-1439 - 2009-10-23

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ  
عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ  
وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا

[illegible]



اب میری نگاہوں میں چٹا نہیں کوئی  
جیسے میری سرکار ہیں ایسا نہیں کوئی

تم سا تو حسین آگے نے دیکھا نہیں کوئی  
یہ شان لطافت ہے کہ سایہ نہیں کوئی

اے ظرفِ انظر دیکھ مگر دیکھ ادب سے  
سرکار ﷺ کا جلوہ ہے تماشا نہیں کوئی

یہ طور سے کہتی ہے ابھی تک شبِ معراج  
دیدار کی طاقت ہو تو پردہ نہیں کوئی

اعزاز یہ حاصل ہے تو حاصل ہے زمیں کو  
افلاک پہ تو مہدیِ خطرئی نہیں کوئی

ہوتا ہے جہاں ذکرِ محمد ﷺ کے کرم کا  
اس بزم میں محرمِ تمنا نہیں کوئی

سرکار ﷺ کی رحمت نے مگر خوب نوازا  
یہ بچ ہے کہ خالد سا نکما نہیں کوئی

# اور پھر میں ہیرودس سے زیر ہو گیا

صحرائے کربلا میں جذب ہونے والا خون اپنے پیچھے معاشرتی، مذہبی اور سیاسی عروج کے ان گنت اسباق چھوڑ گیا۔ جھوٹ فانی ہے، اس کی دلفریبیاں زیادہ دیر تک طمع سازی نہیں کر سکتیں جبکہ سچ ایک حقیقی قوت ہے۔ سچا انسان مبالغہ آرائی سے دور ہوتا ہے، البتہ سچ اور صدق کو ختم کرنا جان بوجھوں کا کام ہے۔ دنیا میں ڈوبے ہوئے لوگوں کے لئے سچا انسان سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہوتا ہے لیکن صدق کا حسن گلاب بن کر اگتا ہے۔ یہ مشام حیات کو معطر کرنے والی حقیقی خوشبو ہے۔ سچائی کے کھیت میں اگنے والی کہانیاں حقیقی ہوتی ہیں۔ قانون اگر صدق سے محروم ہو تو قتل و غارت اور بد امنی جنم لیتی ہے۔ دولت صدق و سچ کی دلہیز سے دور ہٹ جائے تو اس کے لطن سے حرام کاریاں پیدا ہوتی ہیں اور خوش قسمتی ننگے پاؤں بھاگ جاتی ہے۔ معاشرہ صدق و حق کے نور سے تہی دست ہو تو طبقات جنم لیتے ہیں پھر ایک ایک قبیلے میں سوسو مکتب پیدا ہوتے ہیں۔ طبقاتی کشمکش ”صدق مذہب“ سے محرومی کا دوسرا نام ہے۔

حسین اور یزید دو کردار ہیں

حسین کا قبیلہ صدق کا نور رنگ

فردوس ہے

اور

یزید جھوٹ، طمع سازی اور دین دشمنی

کی قبیح علامت ہے

ایک کا درس ہے ”خدا سب کچھ ہے“

اور

دوسرے کی تربیت ہے حکومت اور دنیا ہی سب کچھ ہے

حسین کی دعوت ”نظام صدق“ کا نفاذ ہے

اور

یزید کی کوشش نظام شیطان کی بقا ہے

انسانی معاشروں کی بدقسمتی کہ آج وہ توڑ پھوڑ کا شکار ہیں۔ بد امنی کا زہرا سبک ہم سے بھی زیادہ انسانیت کش ثابت ہو رہا ہے۔ لسانی، جغرافیائی، مذہبی اور سماجی تفرقہ بازیوں نے قافلہ انسانیت کو بربادی کی پگھلندہ یوں پر الجھا دیا ہے۔ قوم شعبہ بازوں کے ہاتھ چڑھی ہوئی ہے۔ لوگ عدم تحفظ کا شکار ہیں۔ غیر انسانی عادات اور اقدار ڈھنوں پر مستولی ہوتی جا رہی ہیں۔

سوات اور سرحدی قبائل کے اندر جو کچھ ہو رہا ہے وہاں اسلام کے دعویداروں کے کردار کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے۔ پیر سید اللہ قادری کو شہید کیا گیا اور جب وہ مردِ جامِ شہادت نوش کر چکا تو اسے برہنہ کر کے نگلی نش درخت پر لٹکا دی گئی۔ ایک اور خبر پڑھی کہ ایک شخص کو شہید کرنے کے بعد اس کے سر کو تن سے جدا کر کے اس کے ساتھ فٹ بال کھیلا گیا۔ جنازہ کی نمازوں میں خود کش حملے ہوئے۔ قتل کرنے کے بعد مردہ حالت میں دشمنوں کے منہ میں پیشاب کیا گیا۔ یہ بات بلاشبہ سمجھ سے قریب ہے کہ کتوں اور بایوں کا گوشت کھانے والے مسلمان نہیں ہو سکتے، لیکن سوال یہ ہے کہ عبداللہ بن زبیر کی نگلی لاش کو کون لوگوں نے مکہ کے معروف چوک میں لٹکایا تھا۔ مصر میں محمد بن ابی بکر الصدیق کی کھال اتار کر اس میں غلاظت بھر کر کس نے ان کی لاش کی بے حرمتی کی تھی۔ یہ لوگ کون تھے جنہوں نے کر بلا میں حسینی قافلے کے شہدا کی پاکیزہ لاشوں پر گھوڑے دوڑانے کا حکم دیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ شروع زمانہ ہی سے اسلامیانِ عالم کو ایک ناسور نے چائنا شروع کر دیا تھا۔ جیسے حسین کے بیٹے آج دنیا میں خیر و رحمت بانٹ رہے ہیں اور یزید اور مروان کے ابنائے شر آج بھی بربریت، خوف، رزالت، کمینگی، انسانیت سوزی کے محرک بنے ہوئے ہیں۔

یہ بات ٹھیک ہے کہ موت ایک سنگین حقیقت ہے، مردہ زندہ ہو سکتے ہیں نہ دنیا میں واپس آ سکتے ہیں، ماضی حال نہیں بن سکتا، لیکن فطرت کا علم انسانیت سوز قافلوں کی تاریخ کو مسخ کر دیتا ہے اور سچائیوں اور صداقتوں کے علمبرداروں کو جو عزت اور افتخار عطا کرتا ہے ان کا وجود قابلِ رشک ہو جاتا ہے۔ پچھلے دنوں ایک اخباری پریس کانفرنس میں سابق صدر مشرف نے کہا اور پھر میں ہیرو سے زیر ہو گیا اور میرے دشمن زید سے ہیرو ہو گئے۔ مشرف صاحب کو یاد نہیں رہا جبکہ تاریخ کی سماعتیں بڑی گہری ہیں۔ امام عالی مقام کے سرناز کو دیکھ کر یزید پلید نے بھی یہ کہا تھا کہ شہادت حسین نے مجھے اعلیٰ سے اسفل کر دیا اور حسین کی شہادت مقصد نے انہیں زمین سے آسمان کر دیا۔ بقا صدق ہی کو ہے اور روشنی سچ ہی میں ہے۔ ظلم کبھی عزت نہیں پاسکتا اور حق و حقیقت کو زیادہ دیر تک دبایا نہیں جاسکتا اور یزیدیت کی یہ غلط فہمی تھی کہ شہادت نے حسین کو آسمان کر دیا تھا۔ حسین تمہاری عرشِ بوباس رکھنے والا سردار۔ جس نے حضور ﷺ کی آغوش میں تربیت پائی ہوئی تھی۔ زبانِ نبوت نے اسے جنتی جوانوں کا سردار کہا۔ حسین کو یزیدی سندی ضرورت نہیں تھی۔

حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جانے والا ہوں۔ کتاب اللہ اسے مضبوط تھا سے رکھنا اس لئے کہ اس میں ہدایت اور نور ہے۔ دوسری میری اولاد ہے میرے گھر والے ہیں، میں تمہیں اپنی اہل بیت کے بارے میں خدا یاد کرتا ہوں۔ اللہ کا خوف دلاتا ہوں، میرے اہل بیت کے بارے میں اللہ سے ڈرنا۔“

ایک دوسری حدیث شریف میں فرمایا:

”آئندہ قریش ہی سے ہوں“

تاریخ کے دھاگوں پر پڑی بوسیدہ گرہوں کو چھیڑنا نہیں چاہیے، البتہ یہ مسئلہ خوب سمجھنا چاہیے جیسے رحمتوں کے قبیلے ہوتے ہیں، ایسے ہی رحمتوں کے کنبے بھی ہوتے ہیں۔

شرافت کا کنبہ اپنا ہے

کم ظرفی اور ذلت کا قبیلہ اپنا ہے

یہ عجیب بات آپ محسوس فرمائیں گے کہ

حمزہ کا جگر چبانے والے۔۔۔۔۔

حضور ﷺ کی راہوں میں کانٹے بچھانے والی۔۔۔

عبداللہ بن زبیر کی برہنہ لاش کو سرعام سات دن تک لٹکانے رکھنے والے۔۔۔

کوفہ کی قبروں سے مروے نکال کر جلانے والے۔۔۔

میدان کربلا میں شہیدوں کی نعشوں پر گھوڑے دوڑانے والے۔۔۔

بصری کے منبر پر اہل بیت کی تعریف کرنے والے خطیب کی زبان نوح کر پھینک دینے والے۔۔۔

مصر میں محمد بن ابی بکر کی کھال اتار کر

بیچ میں نا طاقت بھرنے والے

سب ایک ہی کنبہ اور ایک ہی گھر کے افراد فرید تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا عاداتوں کے قبیلے بھی انڈے اور بیج دیتے ہیں۔ :و نہ ہو حضور ﷺ نے اسی ضرورت کے تحت مسلمانوں کو یہ نصیحت فرمائی تھی کہ اپنی اولادوں کو آل محمد کی محبت سکھاؤ تاکہ تمھاری نسلوں میں بھی رحمت اور اجالے سرایت کریں۔ کسی مغربی مفکر کے قلم سے نکلی ہوئی حکایت یاد آئی:

جنگل کے بادشاہ شیر کی ملکہ شیرنی کا انتقال ہو گیا۔ جنگل کے تمام درندے تعزیت کے لئے حاضر ہوئے۔ پتھر دل شیر اپنی ملکہ کی یاد میں آنسو بہانے لگ گیا۔ اس کی تقلید میں تمام درباری درندے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور رونے لگ گئے البتہ ہرن ایک طرف خاموش بیٹھا کھرام سنتا رہا۔ اس ماقہ تقریب میں بھی حاسدین کی نظر سے وہ پوشیدہ نہ رہ سکا اور انہوں نے بادشاہ سے شکایت کر دی اور بادشاہ نے اس سے سنگ دل ہو کر بیٹھے رہنے کا سبب دریافت کر لیا۔

ہرن بولا:

میں دراصل خاموش بیٹھا خلد بریں میں ملکہ معظمہ کو دیکھ رہا تھا، جناب! وہ پھولوں کی بیج پر تکیہ جمائے بیٹھی تھی جب مجھے دیکھا، شفقت سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور مجھے اپنا دوست بنا لیا اور مجھے سمجھا یا اب آنسو نہ بہانا اگر تم اب رو گئے تو مجھے دکھ پہنچے گا حضور! میرے خیال میں رونا دھونا ختم ہو جانا چاہیے ملکہ معظمہ کی زندگی سے ہم اگر کچھ سیکھ سکتے ہیں تو سیکھیں جہاں پناہ آپ کو اور ہمیں آپس میں دوستی کر کے ملکہ معظمہ کو دکھ دینے والوں کو سزا دیٹی چاہیے۔

شیر نے کہا:

تمھاری اور میری دوستی، اس اعلان کے ساتھ حاسدین کا منہ اپنی ہی جلائی ہوئی آگ میں جلتے لگ گیا۔

یہ وقت شکووں شکایتوں کا نہیں۔ سلفی اغراض کی خاطر قوم کو تباہ کرنا دانا کی نہیں۔ اعلیٰ مقاصد کی خاطر بہن اور شیر کی دوستی ہو سکتی ہے۔ ہم سب کو مل کر آج اس ذہن اور فکر کے خلاف ٹنگ و تاز کرنی چاہیے، جو ظلم و بربریت کے باوجود یزیدیت کو امیر المومنین کہنے پر تلی ہوئی ہے۔ اصل میں یہ سب بھڑیے ہیں جن کے نوکیلے ناخن خون انسانیت اور اسلامیت کے لبو سے آلودہ ہیں:

انہیں معاف کرنا  
خیر کو فراموش کرنا ہے  
ان کے ساتھ دوستی  
حق و حقیقت سے محرومی ہے  
ان کو بھلا جانا  
کفر کو اسلام گردانا ہے  
ناصیبت، خارجیت اور رافضیت سب ظلمتیں ہیں۔

سچی راہ حضور ہی کی ہے  
بوائے حق دامن علی ہی سے میسر آ سکتی ہے  
تربیت کا مواد بیت فاطمہ کی دلیز پر ہی مل سکتا ہے  
جوانوں کے سردار حسن اور

حسین ہی ہو سکتے ہیں

تمام فقہاء! \_\_\_\_\_!

محدثین! \_\_\_\_\_!

محققین! \_\_\_\_\_!

معلمین! \_\_\_\_\_!

صالحین! \_\_\_\_\_!

اقطاب! \_\_\_\_\_!

ابدال! \_\_\_\_\_!

اغواث! \_\_\_\_\_!

مواظنین! \_\_\_\_\_!

قاضی و مفتی! \_\_\_\_\_!

طالب و محبت! \_\_\_\_\_!

صحابہ سے محبت کرنے والے

نسبتوں پر مرٹ جانے والے

آل محمد کے غلام ہیں

نقشبندی

قادری

سب کا غرہ سب کی منزل

ان الدین عند اللہ الاسلام

کتنی خوبصورت بات کہی تھی:

حضرت چنید بغدادی نے

شیخنا فی الاصول والبللا

علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

یہ قافلہ کن خوبیوں سے آراستہ تھا یہ جاننے کے لئے قرآن حکیم کی یہ آیات معانی اور مطالب کے ساتھ تلاوت فرمائیں:

وَاللّٰهُ بِصِيْرٍ بِالْعِبَادِ ۝ اَلَّذِيْنَ يَقُولُوْنَ رَبَّنَا اِنَّا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝  
الَّذِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُتَّقِيْنَ وَالسّٰغِرِيْنَ بِالْاَسْحٰرِ ۝ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ  
وَالْمَلٰئِكَةُ وَاُولُو الْعِلْمِ قَايِمًا بِالْقِسْطِ ۝ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ اِلَّا سَلَامٌ  
وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَعِيًا بَيْنَهُمْ ۝ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ  
سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ فَاِنْ حَاجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۝ وَقُلْ لِلَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتٰبَ وَ  
الْاُمِّيْنَ ؕ اَسْلَمْتُ ۝ فَاِنْ اَسْلَمْتُمْ ۝ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَّا عَلَيْكُمُ الْبَدْعُ ۝ وَاللّٰهُ بِصِيْرٍ بِالْعِبَادِ ۝

اور اللہ اپنے بندوں پر خوب نظر رکھنے والا ہے (۱۵) ایسے لوگ کہتے رہتے ہیں پروردگار ہمارے! ہم ایمان لائے سو ہمارے  
گناہوں کو بخش دے اور ہمیں دوزخ کی سزا سے بچالے (۱۶) (یہ لوگ) صبر کرنے والے، سچائی اختیار کرنے والے اور مودب  
فرمانبردار اور خرچ کرنے والے اور رات کے پچھلے پہروں میں بخشش طلب کرنے والے ہوتے ہیں (۱۷) خوب کھول دی ہے  
اللہ نے یہ بات کہ کوئی معبود نہیں ہو سکتا سوائے اس کے اور تمام فرشتے اور اہل علم انصاف کے ساتھ اس بات پر قائم ہیں کہ کوئی  
عبادت کے الٰہ نہیں سوائے اس معبود برحق کے جو غالب حکمت والا ہے (۱۸) بے شک اصل دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی  
ہے اور جو اختلاف میں پڑ گئے کتاب دیئے گئے لوگ بعد اس کے کہ ان کے پاس علم پہنچا یہ محض اُن کی باہمی ضد تھی اور جو انکار  
کرے اللہ کی آیتوں کا تو بے شک اللہ بھی حساب چکانے میں بڑا سریع ہے (۱۹) (اے حبیب) اگر یہ لوگ آپ سے بحث میں  
الٰہجیں تو آپ فرمادیں کہ میں نے تو رُوئے محبت اللہ کے سامنے جھکا دیا ہے اور انہوں نے بھی جو میرے تابع ہیں اور فرمائیے  
ان لوگوں سے جنہیں کتاب مل گئی ہے اور بے پناہوں سے بھی کیا تم بھی اسلام لاتے ہو؟ اگر تو وہ اسلام قبول کر لیں پھر تو وہ  
ہدایت یافتہ ہوئے اور اگر وہ روگردانی کر لیں تو آپ کے ذمہ ابلاغ حق ہی ہے اور اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے (۲۰)

(الاحزاب: ۱۵-۲۰)

سیدہ حسنینہ بنت

سیدہ رضی اللہ عنہا



# حرفِ روشنی

سید ریاض حسین شاہ

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید، فرقانِ حید کی تفسیر ”نہرۃ“ کے مرقع  
سے تحریر کر رہے ہیں۔ ان کا اسلوبِ نگارش منقارِ نادر و نیکو نظرین سے  
تخلیف ہوئی ہے اور دلچسپ بھی ہے۔ ان کے بیانِ سادہ و سادہ گوئی سے جس میں  
دور و حالی کا سطور موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم ہمارے کئی کئی  
کے لیے سواہب کی تفسیر پیش کر رہے ہیں (۱۰۰)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۝  
أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَ مَا كَسَبَ ۝  
سَيَصْلَىٰ نَارًا إِذْ ذَاتَ لَهَبٍ ۝  
حَمَلَةَ الْحَطَبِ ۝ فِي جِيدِهَا حَبْلٌ  
مِّن مَّسَدٍ ۝

ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہو جائیں اور وہ ہلاک ہوئی  
گیا (۱) اُسے اُس کا مال کچھ کام نہ آیا اور نہ ہی وہ جو  
اُس نے کمایا (۲) وہ جلد ہی اُس آگ میں جا ملے گا  
جس کے شعلے بھڑک رہے ہیں (۳) اور اُس کی وہ بیوی  
بھی جو گزلیوں کا کٹھا اٹھانے والی ہے (۴) اس کے  
گلے میں سمجھور کی چھال کی رسی ہے (۵)

”صحیفہ نور“ کی یہ سورہ رحمتِ بدکاروں کا انجام بتلانے والا عجاوبِ اہیت ہے۔ اس کا نزول حضور ﷺ کی زندگی میں ہوا۔  
یہ پانچ آیات پر مشتمل سورت ہے نام اس کا ”الہلب“ ہے۔



یہ بیبت اور رکڑ رکھنے والی سورت ترتیب میں سورہ نصر کے فوراً بعد ہے۔ ماقبل سورت میں ایمان، یسکی اور عقیدہ آخرت جن نتائج سے دوچار کرتا ہے۔ ان کے آشکار کرنے کے لئے ایک دل آویز آئینہ ہے اور یہ سورت بتلاتی ہے کہ بد مذہبی، بدکاری اور بد اخلاق کے عواقب کتنے بھیاں تک اور دلدوز ہوتے ہیں یقیناً اس سورت میں فہمائش اور انداز کا اسلوب انتہائی خوفناک صورت اختیار کر جاتا ہے لیکن الفاظ کا درو بست اور صعود نزول الہامی رحمتوں سے ہمکنار رہتا ہے۔

سورہ نصر کا مطالعہ کرتے ہوئے قاری قرآن محسوس کرتا ہے کہ اسلام چھا گیا اور دین متین کی چادر رحمت نے ہر چیز کو اپنے امد و سمیت لیا اور سورہ لہب اعلان کرتی ہے کہ اسلام صرف مرکز تک پہنچی ہی نہیں گیا بلکہ اس کی روحانی طاقتوں نے ہر ابولہب کے ہاتھ توڑ دیئے۔ دین بابر و کن بے مدد ہو گیا۔ گستاخیاں، بے باکیاں اور بد تیزیاں اپنی مکروہ تاریخ سمیت قعر مذلت میں منج دی گئیں۔ سورہ لہب ایک گستاخ شخص کی عبرتناک تاریخ ہی بیان نہیں کرتی بلکہ گستاخاں رسول جس ذلت اور رسوائی کا شکار ہوتے ہیں ان حقائق کو اصول بنا کر قاری قرآن کے سامنے رکھ دیتی ہے۔

سورہ نصر اور سورہ لہب دراصل ایک ہی گھر کے دو لوگوں کو عنوان بنا کر کاروان انسانیت کے سامنے رکھ دیتی ہیں۔ سورہ نصر نیکی کے جدو جہد میں حضور ﷺ کو کامیابیوں کی جنت میں دولہا بنا کر پیش کرتی ہے اور سورہ لہب اسی گھر کے ایک بے قدر شخص کی ناقدریوں کی بنا پر اس کی بیوی سمیت گرفت کی محکم رسیوں میں جکڑ کر دوزخ میں ذلت کے ساتھ پھینکنے کا اعلان کرتی ہے اور قرآن حکیم ایک شفاف آئینہ بن کر اس تصور کو اتنا اجاگر کرتا ہے کہ قیامت تک آنے والا ہر شخص ابولہب کو دوزخ کی آگ میں جلا ہوا دیکھتا رہے گا۔

امام بخاری اور امام مسلم نے اس صورت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے جو منظر نامہ پیش کیا ہے وہ سورت کے مضامین کو آشکار کر دینے کے لئے کافی ہے۔

حضور ﷺ کے سینہ پر جب ”وانزلہ عشبیر تک الاقربین“ نازل ہوئی تو آپ ﷺ کو صف پر چڑھے اور تمام قبائل کو بلا کر ایک ایک قبیلہ کا نام لیا۔ اے بنی ہاشم اے بنی فلاں جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں تم کو یہ اطلاع دوں کہ دشمن کا لشکر تم پر شیخون مارنے کے لئے تیار ہے تو کیا تم مجھے بچاؤ گے؟ سب نے مل کر جواب دیا بے شک آپ سچے ہیں اس پر حضور ﷺ نے فرمایا:

”بے شک تم پر عذاب الہی آنے والا ہے۔“ نجات کا راستہ تلاش کر لو اور اپنے بچاؤ کی کوئی تدبیر اختیار کر لو۔

یہ خوبصورت گفتگو سن لے کر بعد ابولہب آپ ﷺ سے ناراض ہوا اور کہنے لگا:

تَبَا لَکَ اَیُّہَا جَمْعَتَا

تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں کیا تو نے اس لئے ہمیں یہاں جمع کیا؟

پھر ایک پتھر حضور ﷺ پر پھینکا اور گالی گلوچ کی۔ یہ واقعہ اس سورت کے نزول کا محرک بنا۔ تمام ہی مفسرین نے تقریباً اس واقعہ کو سورہ لہب کے شان نزول میں بیان کیا ہے۔

قاری قرآن کو چاہئے کہ وہ سورہ لہب کو پڑھتے ہوئے تفسیری عمود تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ان نکات پر ضرور توجہ دے۔

(۱) سورہ لہب ایک قرآنی پیش گوئی ہے جو تصدیق کرتی ہے کہ قرآن حکیم اللہ کی کتاب ہے اور اس کا ایک ایک حرف سچ اور صدق کے نور میں ڈوبا ہوا ہے۔

(ب) رشتے ناٹے ایک معاشرتی تقدس رکھتے ہیں لیکن ان میں دکھ درد کے موقعوں پر مساعادت اور مدد کا عنصر شامل رہنا چاہئے، جب بچپائی بچتجھے سے ذلت کی حد تک دشمنی پر اتر آئے، رشتہ دار یاں معاشرتی لحاظ سے فنا ہو جاتی ہیں، اسلام رشتوں کا تقدس دلوں اور رحوں میں اتارتا ہے لیکن کسی وجود کو اسلامی فکر کے وجود سے قیمتی نہیں ہونے دیتا۔

(ج) حضور ﷺ کی گستاخی اکبر الکبار ہے۔ ناقابل معافی جرم اگر اس جرم کی دلتیں الہامی دستور کی روشنی میں پرکھنا چاہیں تو سورہ لہب کا مطالعہ فرمائیں۔

(د) کفر، گستاخی اور بدی دریا کی جھاگ کی طرح ابھرتے ہیں لیکن ان کا منطقی انجام ہمیشہ قعر مذلیل ہوتا ہے۔

(و) سورہ لہب پڑھتے ہوئے قاری قرآن محسوس کرتا ہے کہ ابولہب کے ساتھ اس کی بیوی کا مذموم کردار بھی قرآن حکیم نے پیش کیا ہے، ظاہر ہوا کہ گستاخی اور بے ادبی کوئی شخص انفرادی طور پر بھی کرے تو باعث لعنت ہوتی ہے لیکن جب گستاخیاں کتبے بن جائیں، بے ادبیاں قبیلوں کی صورت اختیار کر جائیں، تو انہیں لفظ بھر کے لئے بھی برداشت نہ کرنا چاہئے۔ دیکھتے نہیں گستاخوں کے لئے نارنجہم کے شعلے

ہیں اور بے ادب خواتین کے لئے بنی ہوئی رسیاں، جو معاشرہ گستاخوں کے گلے میں رسیاں ڈالنے کا حوصلہ نہیں رکھتا وہ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتا۔

(د) سورہ لہب میں شخصی عزت، وقار اور آبرو کا کتنا مقام ہے، جب کوئی شخص لباس عزت کو بھاڑنے کی کوشش کرے، اس کے لئے قرآن کتنی سنگین تعزیرات کا اعلان کرتا ہے۔

(ز) کثرت اموال اور اثر و رسوخ کی نعمتوں کو خرب دین نہیں ہونا چاہیئے۔ ابولہب کی تباہیوں میں اس کی عیاشیوں بھری معیشت کا بھی حصہ تھا۔

(ح) سورہ لہب کا صوتی آہنگ، جیسے ایک دھماکے کی آواز ہو۔ ”یہذا“ میں تقویٰ اور ابی میں تنزل ”لہب“ میں جیسے کسی نے کسی کو گھیر لیا ہو۔ ”و تب“ میں دھمک کا گھرار، مبالغہ میں یاس اور قوطیت کی برسات، سورت کے لفظ ہی بتاتے ہیں کہ گستاخ شخص کتنی لعنتوں میں گھر جاتا ہے۔ تہدید، فہمائش، ذلت، مذمت، رسوائی اور لعنت کی تہہ پر تہہ تاریکی اس شخص کو ہر طرف سے گھیر لیتی ہے اور اس کنبے کا ہر فرد ہی دراصل لعنت کی زنداں میں محصور ہوتا ہے۔

(ط) سورہ لہب حضور ﷺ کی عزت، ناموس، ادب، توقیر، آبرو اور مقام کو ہر بحث سے ماوریٰ کر دیتی ہے اور سمجھتی ہے کہ حضور کا خدا کا حبیب مانو اور ہر خوبی اور ہر توقیر کا مرجع انہی کی ذات کو چانو اور مانو۔

(ی) سورہ لہب، سورہ نعر اور سورہ اخلاص کے درمیان رکھی گئی ہے۔ یہ اس بات کا اعلان ہے کہ شرار بولہبی کی ستیزہ کاریاں جب بھی چراغِ مصطفویٰ کو بجھانے کی سعی کریں گی، اللہ واحد کی قدرتیں انہیں ہر طرف سے گھیر کر رسوائیوں کی دوزخ میں شیخ دیں گی۔

(ک) سورہ لہب میں حضور ﷺ کے گستاخوں کے ساتھ ملامت برتنے کی تمام رسیاں کاٹ دینے کا اعلان کر دیا گیا۔  
قارئین کتاب!

سورہ لہب دراصل حضور ﷺ کے ایک گستاخ کی مذمتی دستاویز ہی نہیں، من وجہ حضور ﷺ کی ذات اقدس پر صلوة بھی ہے۔ یہ سورت پڑھتے ہوئے بلاشبہ رحمتِ عالم ﷺ کی محبتوں کا چین پر بہار ہو جاتا ہے۔ اس میں کیا شک ہو سکتا ہے کہ محمد ﷺ سے محبت اور عشق ہر ابولہب کی مذمت ہے اور ہر ابولہب کی مذمت اور اس پر لعنت محبتوں کا قرض ہے جو ادا ہوتے رہنا چاہیئے۔

لَقَدْ يَدَّ اٰنِيْ لَهَبٍ وَتَبَّ

ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہو جائیں اور وہ ہلاک ہوئی گیا

قرآن مجید کا یہ مختصر تملہ تقاضا کرتا ہے کہ دو چیزیں سمجھی جائیں ایک تو یہ کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹنے سے مراد کیا ہے اور دوسری یہ کہ جانا جائے ابولہب کون تھا اور اس کے زہریلے اخلاق کیا مغز میں رکھتے تھے کہ قرآن مجید نے اس بدتمیز شخص کا نام لے کر مذمت کی اور یہ تجاہلی وہ شخص ہے جس کا امت محمدیہ میں سے نام لے کر تلعین اور مذمیم کی گئی۔

ابولہب کا حقیقی نام عبد العزیٰ تھا۔ یہ عبد المطلب کا بیٹا تھا۔ بلض مؤرخین نے یہ بھی لکھا کہ حضرت عبد اللہ اور ابولہب کی مائیں اپنی اپنی تھیں۔ یہ شخص انتہائی بخیل، کنجوس اور زہر پرست تھا۔ ربیعہ بن عباد کی روایت کے مطابق ابولہب بھیڑ کا تھا۔ ابن درید کے مطابق یہ شخص جنسی آوارگی میں بھی مبتلا تھا۔ ابن اثیر لکھتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ایک مرتبہ اس پر یہ الزام بھی لگایا گیا تھا کہ اس نے کہنے کے خزانے سے دو ہرن چرائے ہیں۔ مکہ کے لوگ اس کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے تھے۔ دولت پرستی نے اسے پرلے درجے کا بزدل بنا دیا تھا بد کے موقع پر اس نے پیسے دے کر عاص بن ہشام کو اپنی جگہ لڑنے کے لئے بھیجا تھا۔

حضور ﷺ کے اعلان نبوت سے پہلے ابولہب کے خاندان سے تعلقات مناسب تھے شاید یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے دو بیٹیوں کے رشتے بھی اس کے دو بیٹیوں سے طے کئے تھے، لیکن عتبہ اور حنیہ دونوں نے نفیض، حسد اور اپنی ماں اور باپ کے اکسانے پر دونوں شاہزادوں کو طلاق دے دی تھی۔ بلض مؤرخین نے رقیہ اور ام کلثوم کے نکاح کی نفی کی ہے اور یہ لکھا ہے کہ صرف منگتیاں جوئی تھیں اور بلض نے یہ بھی لکھا ہے کہ نکاح ہوئے تھے لیکن ازدواجی بسراوقات کی نوبت نہ آئی تھی۔ حضور ﷺ نے عتبہ کے بارے میں کہا تھا کہ اسے اللہ العتبہ پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسطر فرما دے۔ اسی دعا کا نتیجہ تھا کہ ایک سفر میں اسے ایک شیر نے چیر بھاڑ ڈالا۔

بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب سے جس وقت قبائل عرب نے سماجی و قاطعہ کر دیا اور آپ ﷺ شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے تو ابولہب نے بنو ہاشم سے علیحدگی اختیار کر لی۔ سب وشم سے لے کر علیؑ ایذا رسانی تک یہ حضور ﷺ کو ستا۔ سورہ لہب ابولہب کی بربادی اور تباہی کا اعلان کرتی

ہے۔ حق دشمنی کے عبرت ناک عواقب نے اس بد بخت کو ایسے گھیرا کہ جس بیٹے کو قابلِ صد ناز سمجھتا تھا، جنگلی دہندے نے چبا کر ادھیڑ دیا۔ اغلاس نے کمر توڑ دی۔ چچک ایسے موذی مرض میں مبتلا ہو گیا، اور پھر ذلیل ہو کر اس طرح مرا کہ بدن سے بد بو اُٹھ پڑی، کوئی زندہ شخص اس کے قریب نہ جاتا۔ مرتے ہوئے کتوں جیسی آوازیں نکالتا۔ لوگوں نے ٹھگ آکر جس کوٹھری میں رہتا تھا وہی اس پر گرادی۔ جس دین کی دشمنی میں دوسرے کو ذلیل ہوا، اس کی بچی ہوئی اولاد نے اسی دین کو قبول کر لیا۔

قرآن مجید نے ابولہب کا جو عبرت ناک انجام بیان کیا اس کے لئے تعبیر یہ اختیار کی کہ اس کے دونوں ہاتھ نوٹ گئے، یعنی وہ اپنے مقصد میں ناکام ہو گیا۔ اپنی قوت نظری اور قوت عملی دونوں جس مقصد کے لئے کھپا دی وہ اسے حاصل نہ ہو سکا۔ دو ہاتھ ٹوٹنے سے مراد، ناکام ہونا ہے، یہ بھی کہ وہ عمال پر باد ہو گیا۔

ماکسب سے مراد بعض مفسرین نے کمایا ہوا مال لیا ہے۔ اور بعض نے اس سے مراد اولاد لی ہے۔ تاویلات ماتر یہ نے دونوں ہاتھوں سے مراد احسان اور بد کے ہاتھ لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ حضور ﷺ کی گستاخی نے تمام محاسن کو ضائع کر دیا احسان اور بد دونوں کی تاریخ مسخ ہو گئی۔

”وَقَب“ اخبار بعداخبار ہے۔ ابولہب سارے کا سارا ہتیار ہو گیا۔

علامہ اسماعیل حقی نے یہاں ایک سوال اٹھایا کہ ابولہب کا ذکر کنیت سے کیوں کیا گیا؟ اصلی نام قرآن مجید نے نقل نہ کیا، خود ہی جوابا ارشاد فرمایا یہاں کنیت تکریم کے لئے نہیں ہے بلکہ نام نہ لینا اظہارِ کراہت ہے کیونکہ اس کے نام میں بھی قباحت تھی کہ وہ ایک بت کی طرف منسوب تھا۔

مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ﴿٦﴾

اُسے اُس کا مال کچھ کام نہ آیا اور نہ ہی وہ جو اُس نے کمایا

مکہ کا سب سے بڑا دولت مند شخص جس کی مال کی جھوریاں بھری رتھیں، سونے کی چمک دمک اس کی نگاہوں کو خیرہ رکھتی، فطری چالاکیوں سے ریاست اس کے قدموں کی خاک بنی رہتی۔ انتہائی رنگت والا، بیچ کا شخص اپنے جیسا کسی کو تصور نہ کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے جب اسے اپنی گرفت میں لے لیا تو نہ مال کام آیا اور نہ اولاد اسے انجام کار کی نعمت سے بچا سکی۔ آیت میں ”ما کسب“ سے مراد کمائی ساری منقشیں اور اولاد ہے۔ مغرور، متکبر اور تیر و فطرت ابولہب ریاست، مال اور اولاد کی محبت میں گم ہو کر روحانی عظمتوں کے آسمان کی طرف تھوکتا تھا۔ تعزیرات اور برہادیوں نے اسے سڑی ہوئی لاش بنا کر عبرت عالم کر دیا۔

سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ﴿٧﴾

وہ جلد ہی اُس آگ میں جا ملے گا جس کے شعلے بھڑک رہے ہیں

ابولہب وہ ابولہب جسے ذی الجواز کے بازار میں دیکھا گیا کہ محمد ﷺ پکار پکار کر لوگوں سے کہتے جس نے اقرار کر لیا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ نجات پا گیا، تو یہ حضور ﷺ کی ایزدوں پر پتھر مارتا اور آپ ﷺ کے پاؤں مبارک سے خون جاری کر دیتا اور چلا کر کہتا یہ شخص ”معاذ اللہ“ جھوٹا ہے اپنے انجام کو جا پہنچا، اس کے ذلت کی موت مرنے کے بعد قرآن حکیم نے وہ اشکاف لفظوں میں کہہ دیا کہ وہ شعلہ زن آگ میں پھنچنے والا ہے۔ آگ سے مراد ناز و جنم ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ آگ سے مراد دنیا میں اس کا ذلیل ہونا ہو۔

قرآن مجید کی اس آیت میں اسلوب بیان اور طرزِ ادا کی نورنگی ملاحظہ ہو کہ ابولہب کی کنیت اور آگ کے لئے ”ذات لہب“ لانا اتنے دقیق، متاسق اور تناسب پر دلالت کر رہا ہے۔ سورت کا تعبیر اسلوب انتہائی دلکش ہے اور ایک ایک حرف معنویت سے بھرا پڑا ہے۔

وَأَمَّا أَثَرَ حَبَالَةٍ أَلْهَبٍ ﴿٨﴾

اور اُس کی وہ بچی بھی جو ککڑیوں کا گھٹا اٹھانے والی ہے

اس آیت سے ابولہب کی بیوی ام جہیل کا گستاخانہ رویہ بیان ہو رہا ہے۔ یہ عورت حرب کی بیٹی تھی، ابوسفیان کی بیٹی بہن، معاویہ کی پھوپھی اور رشتے میں یزید بد بخت کی دادی لگتی تھی۔ ابولہب کا گھرا لکل حضور ﷺ کے پڑوس میں تھا۔ ابولہب کی طرح ام جہیل بھی حضور ﷺ کے لئے جنونِ عداوت میں مبتلا تھی۔ خود پسندی اور غرور نے اس کو اندھا کر رکھا تھا۔ خادمہ اگر حضور ﷺ کو پتھر مارتا تو یہ رحمت عالم کی راہوں میں کانٹے بچھاتی، فریاد و غصہ میں جھجکتی۔

مسند بزاز میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سورہ لہب کی جب پہلی آیت اتری تو ام جہیل آئی جہاں رسول اللہ

تشریف فرما تھے اور حضرت ابوبکرؓ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ حضرت ابوبکرؓ عرض کرنے لگے یا رسول اللہؐ آپ ایک طرف ہو جائیں۔ عورت کہیں آپ کو اذیت نہ پہنچائے۔ آپ نے فرمایا میرے اور اس کے درمیان اللہ کوئی آڑ لکھڑی کر دے گا۔ وہ بچگئی اور حضرت ابوبکرؓ سے کہنے لگی تمہارے دوست نے ہماری بھوک کی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا اب کہہ بی کہتم کہ وہ شہر کہتے ہیں اور نہ کسی کا برا بولتے ہیں۔ کہنے لگی تم یقیناً قصہ بقی کے لائق ہو، جب وہ واپس گئی حضرت ابوبکرؓ عرض کرنے لگے وہ آپ کو دیکھ نہ پائی، حضورؐ نے فرمایا ایک فرشتہ نے مجھے چھپائے رکھا۔

قرآن مجید کی منذرہ آیت ربی و نیا تک اس گھٹیا عورت کے گندے کردار کو بے حجاب کرتی رہے گی۔ سوچا جائے تو یہ ایک خاندان تھا جس نے اسلامیان و رسالت کو دردناک تعلیمیں اور ایذاتیں پہنچائی۔ اللہ کی کتاب نے اسے دوش پر اندھن اٹھانے والی عورت کہہ کر یاد کیا۔ اس جملے کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ یہ عورت کندھوں پر کانٹے دار جھاڑیاں اٹھا کر لاتی اور حضورؐ کی راہ میں ذاتی تاکہ آپ کے پاؤں میں چبھ جائیں۔ بعض دوسرے مفسرین نے غل کی شدت، تجوی اور حد سے کہنا یہ قرار دیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس جملے اور فقرے کا مطلب یہ ہے کہ یہ عورت قیامت کے دن دوسروں کے بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوگی۔

ممکن ہے اس جملے میں یہ جو کہا گیا ہے کہ وہ کندھوں پر آگ جلانے کے لئے لکڑیاں اٹھائے پھرتی تھی، مفہوم یہ ہو کہ وہ لکڑی بھجانی کرتی تھی۔ خاندان کو حضورؐ کے خلاف اس کاٹی اور بھڑکائی، یقیناً وہ شخص اور وہ عورت جو دنیا میں حسد بغض اور حقارت کی آگ روشن کرنے کے لئے یہ گندہ کردار ادا کر لے وہ دوزخ کی آگ بھڑکانے والا ہوتا ہے۔ کسی کو دکھ دینے کے لحاظ سے ایک فرد بھی معاشرے پر سنگین بوجھ ہو جاتا ہے۔ اس خاندان کی بد بختگی کی یہ حضورؐ کی شان میں گستاخیاں کہتے، ہرزہ سرانیاں کرتے اور راہوں میں کانٹے بچھاتے۔ اللہ رب العالمین نے انہیں دائمی عذاب اور ذلت میں گرفتار کر لیا اور سورہ لباب نے اعلان کر دیا کہ حضورؐ کا ہر دشمن اور گستاخانہی ابدی لعنتوں میں گرفتار رہے گا۔ بری سازشیں اور بد تمیز تدبیریں خود ہی آگ کے شعلے ہیں اور مونجھ کی رسیاں جو گستاخوں کو سولی پر لٹکانے والی ہیں۔ ہاں جو ایمان لائے انہیں اور اچھے اعمال اپنائیں ان کی کہانی کسی دوسرے محور کی حرکت سے بدل جاتی ہے۔ یہ انجام تو کفر اور گستاخی کا ہے۔

فِي حَبِيبٍ عَاقِلٍ قَبِيحٍ مَّسِيءٍ ۝

اس کے گلے میں کھجور کی چھال کی ری ہے

حبید کی تہ اجیاء ہے۔ اس کا معنی گردن ہوتا ہے اور مسد کھجور کے پتوں اور شاخوں سے تار وے کرتیا رکھے جانے والا رسا ہوتا ہے۔ ایک مغرور، ڈھیت اور تند خو، کجس اور بخیل عورت جس نے ایک موقع پر اپنے گلے کے طلائی ہار کو حضورؐ کی عداوت میں خرچ کرنے کا عندیہ دیا، قرآن حکیم نے کتنی بلاغت کے ساتھ فرمایا کہ یہ اپنے آپ کو دولت مند اور معزز گھرانے کی عورت سمجھنے والی بد کردار اس ذلت کا فکار ہو گئی کہ اس کے گلے میں مونجھ یا کھجور کے پتوں سے بنا ہوا رسا ڈالا جائے گا اور روایات میں آتا ہے کہ جنون عداوت نے انہیں افلاس میں اس قدر گرا دیا کہ ان کو لکڑیاں فروخت کر کے گزراوقات کرنا پڑتا، گویا یہ آیت ذلت اور سوائی کے لئے کہنا یہ ہے۔ بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا کہ یہ کیفیت ام جہیل کے ساتھ نار جنم میں ہوگی، جب اسے محکم رسوں میں بکڑ کر دوزخ میں پھنچا جائے گا۔

مرہ ہمدانی کہتے ہیں ام جہیل کا معمول تھا کہ وہ جنگل سے کانٹے دار جھاڑیاں کاٹ کر لاتی کہ حضورؐ کی راہ میں بچھائے۔ ایک دن حسب دستور لکڑیاں لار رہی تھی کہ تنک گئی اور سستانے کے لئے ایک پتھر پر بیٹھی تو ایک فرشتہ نے اسے پیچھے کھینچ کر نیچے گرا دیا۔ اس طرح لکڑیاں جس رسے سے بانجھی ہوتی وہ اس کے لئے چٹائی کا کام کر گیا اور اس طرح وہ وارد جنم ہو گئی۔ اس آیت سے مراد ام جہیل کی یہ رسوا کن موت ہے۔ واللہ اعلم بار الہا!

قوی باران رحمت نازل کرتا ہے

تیرے ہی حکم سے ٹٹوٹنے چٹک کر پھول بنتے ہیں

اے میرے الہ!

تو نے جیسے ابولہب کو گستاخوں کی وجہ سے بھڑکتی آگ میں جھونکا

آج بھی ہر شدی ملعون کے لئے آگ کے شعلے بھڑکا

وہ قوم جو تیرے نبی کے خاکے بنا کر تیری قدرت

کا مذاق اڑائے

اس پر آگ برسا

شعلے پیا کر

انہیں دوزخ کا ایندھن بنا۔۔۔۔۔!

یا

عشاق کے بازوؤں میں تو انہی پیدا کر

کہ

وہ گندی قوم کا افساب خود کر سکیں

ہمارے رب تو نے ام جہیل کی گندی گردن میں

رستے ڈالے

تیرے جلال کا تجھے عظیم واسطہ

ہر تسلیمہ نسرین کی گردن میں پٹے ہوئے رستے ڈال

مسلمانوں کو شعور عطا فرما

کہ

وہ سمجھیں۔۔۔۔۔

وہ جانیں۔۔۔۔۔

ان کا عقیدہ ہو۔۔۔۔۔

محکم ایمان

مضبوط نظریہ

ناقابل شکست تصدیق

آبرو نے ماز نام معطلے است



# اچھے اخلاق کی تکمیل بعثتِ نبوی کا مقصدِ اعظم ہے

عن مالک انه بلغه ان رسول الله ﷺ قال بعثت لاتم حسن الاخلاق  
(موطائمام مالک ماجاء فی حسن الخلق ص ۷۰۴)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان تک یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:  
مجھے اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔

یہ حدیث دنیاوی طور پر تین باتوں پر مشتمل ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ اس حدیث شریف سے حسن اخلاق کی اہمیت اور قدردانیت کا اندازہ ہوتا ہے، کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے حسن اخلاق کی تکمیل کو اپنی بعثت کے مقاصد میں شمار فرمایا اور یہ بات واضح ہے کہ بعثت اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب شخصیت کو انسانیت کی راہنمائی کے لئے بھیجے کا نام ہے۔ اس لئے بعثت کے مقاصد کو خود خالق کائنات نے متعین فرمایا، بنا بریں حسن اخلاق کی تکمیل کے سوتے حکم خداوندی یعنی وحی سے پھوٹتے ہیں۔

دوسری بات جس پر حدیث دلالت کرتی ہے یہ ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے پیغامات اور نبوت میں اخلاق حسنہ کی تکمیل شامل تھی کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد حسن اخلاق کی تعلیم نہیں بلکہ تکمیل حسن اخلاق بیان فرمایا اور تکمیل حب ہی ہوتی ہے جب کوئی چیز پہلے سے موجود ہو۔

گویا آپ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیاء کرام اور رسول عظام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا وہ سب اچھے اخلاق کی تعلیم دینے کے لئے تشریف لائے اور میں بھی اسی مقصد کے لئے آیا ہوں لیکن مجھے یہ اعزاز اور امتیاز حاصل ہے کہ میں تعلیم حسن اخلاق کے ساتھ ساتھ اس کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں، حسن اخلاق کا ہی ایک اہم شعبہ حیا ہے اور رسول اکرم ﷺ سے مروی ایک حدیث میں بتایا گیا کہ پہلی نبوتوں کے کلام سے یہ بات ہے کہ اگر تم میں حیاء نہ ہو تو جو چاہو کرو، گویا اخلاق حسنہ جن کی بنیاد حیا کو قرار دینا یقیناً درست ہوگا ہر نبی کی نبوت میں اس کا درس موجود تھا۔

اس حدیث سے جس تیسری بات کا ثبوت ملتا ہے وہ مسلمانوں کا اہم عقیدہ ”عقیدہ ختم نبوت“ ہے یعنی رسول اکرم ﷺ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نبوت کی تکمیل ہوگئی اور آپ کے بعد کوئی نبی کسی بھی شکل میں نہیں آئے گا اور نہ ہی ایسا ممکن ہے اگر کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرے تو وہ کاذب ہے، جھوٹا ہے اور عقیدہ ختم نبوت سے انکار کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا، بلکہ ایسے شخص کو مسلمان ماننے والے لوگ بھی مسلمان نہیں رہتے اور اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں۔

اس حدیث سے ختم نبوت کے ثبوت کی وضاحت یوں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حسن اخلاق کی تکمیل کو اپنی بعثت کے مقاصد میں سے قرار دیا، اگر آپ کے بعد کسی اور نبی نے آنا ہوتا تو حسن اخلاق کی تکمیل اس کی ذمہ داری ہوتی آپ کی نہیں اور یہ بات ہر عقلمند آدمی جانتا ہے کہ کسی چیز کی تکمیل کے بعد اس میں کسی اور چیز کو شامل کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

یہاں یہ بات یاد رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرب قیامت دنیا میں تشریف لائیں گے تو وہ نبی نبوت کے ساتھ نہیں آئیں گے بلکہ وہ شریعت محمدی پر عمل کریں گے اور اسی کی تلقین فرمائیں گے۔

رسول اکرم ﷺ نے اپنی ختم نبوت کو ایک مثال کے ذریعے یوں واضح فرمایا۔ آپ نے نبوت کو ایک عالیشان مکان سے تعبیر فرمایا، لوگ اس کی خوبصورتی کو دیکھ کر ہش ہش کر اٹھتے ہیں اور اس کے ارد گرد چکر لگاتے ہیں وہ اس سے خوب متاثر ہوتے ہیں۔

لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے وہ کہتے ہیں کاش! یہ جگہ بڑھ جائے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا نبوت کی اس عمارت میں ایک اینٹ کی خالی جگہ میرے آنے سے بڑھ گئی لہذا اب قصر نبوت میں کسی اور کی گنجائش نہیں اس لئے اب کوئی سچا نبی نبوت لے کر نہیں آئے گا اور جو نبوت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔

خلاق، خلق کی جمع ہے اور خلق کا لغوی معنی عادت اور فطرت ہے جب کوئی شخص کسی کام کو کسی ترغیب و تخریب یا کسی ترہیب و تشدید کے غرض سے بخود اور آسانی کے ساتھ کرتا ہے تو یہ خلق ہے، اگر وہ کسی جبر و کراہ کے بغیر نیکی کرتا ہے تو یہ حسن خلق ہے اور اگر اس کی طبیعت گناہ کی طرف مائل ہو اور کسی گھجک کے بغیر گناہ کا مرتکب ہو تو یہ خلق بد کہلاتا ہے۔ گویا کسی کام کو آسانی کے ساتھ ادا کرنے کا نام خلق ہے۔

خلق جس طرح فطری ہوتا ہے اسی طرح انسان اپنی محنت سے بھی خلق تک راہ پالیتا ہے اور اسے فطرت ثانیہ کہتے ہیں۔ مثلاً کسی شخص کا دل نماز پڑھنے کی طرف مائل نہیں ہوتا لیکن وہ اپنے آپ پر جبر کر کے نماز کی ادائیگی کرتا ہے اور بلا ناغہ نماز پڑھتا ہے تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ کسی ترغیب یا ڈانٹ ڈپٹ یا کسی لالچ کے بغیر خود بخود نماز پڑھنے لگتا ہے اور اب اس کے لئے نماز پڑھنا آسان ہو جاتا ہے اور یہ اس کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے۔

اب خلق کا استعمال سیرت و کردار کے لئے ہوتا ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رسول اکرم ﷺ کے خلق اور سیرت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ”مکان خلقہ القرآن“ آپ ﷺ کی سیرت (خلق) قرآن مجید ہے یعنی جو کچھ قرآن مجید میں مذکور ہے اور قرآنی تعلیمات ہیں وہی آپ ﷺ کی سیرت ہے۔ سیرت کے لئے یہاں خلق کا لفظ استعمال فرمایا۔

اسی لئے رسول اکرم ﷺ کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

انک لعلى خلق عظیم

بے شک آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔

یعنی آپ ﷺ کا کردار عمدہ اخلاق کا آئینہ دار ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے رسول اکرم ﷺ کی دس سال خدمت کی لیکن آپ نے کبھی بھی مجھے لفظ اف تک نہ کہا، یہ نہ فرمایا کہ فلاں کام کیوں کیا اور نہ یہ فرمایا کہ فلاں کام کیوں نہیں کیا۔ (مختلّوۃ المصانح: ص ۵۱۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے کبھی کسی چیز کے سوال پر لفظ ”ا“ (نہیں) نہیں فرمایا۔ (مختلّوۃ المصانح: ص ۵۱۹)

یعنی اگر کوئی مانگے والا آپ کے سامنے دست سوال دراز کرتا اور آپ کے پاس کچھ ہوتا تو ضرور عطا فرماتے۔ یہ آپ کے اخلاق عظیمہ کی عمدہ مثال ہے۔

ایک حدیث شریف میں یوں ہے کہ رسول اکرم ﷺ صبح کی نماز پڑھتے تو مدینہ طیبہ کے خدام پانی کے برتن لے کر آتے تو آپ ﷺ (برکت کے لئے) کان میں اپنا دست مبارک ڈالتے اور بعض اوقات ٹھنڈی صبح ہوتی تب بھی آپ ﷺ اپنا دست مبارک اس میں ڈالتے۔ (ایضاً)

خلق یا اخلاق کا اطلاق اگرچہ حسن سیرت پر ہوتا ہے لیکن جس طرح اب بری عادت کو خلق نہیں کہا جاتا بلکہ اچھے اخلاق اور اچھے کردار پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، اسی طرح اب عرف عام میں اخلاق اچھے رو بہ خندہ پیشانی اور عمدہ گفتگو کے ساتھ پیش آنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نہ صرف خود اچھے اخلاق کے مالک تھے، آپ کو معلم و مبلغ اخلاق حسنا کر بھیجا گیا تھا، اس لئے آپ خود بھی اچھے اخلاق سے پیش آتے اور دوسروں کو بھی اسی بات کا حکم دیتے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو رسول اکرم ﷺ نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا وہ فرماتے ہیں: جب میں نے سواری کی رکاب میں پاؤں رکھا (یعنی رخصت ہونے لگا) تو رسول اکرم ﷺ نے مجھے وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

احسن خلقک للناس معاذ بن جبل (مؤطا امام مالک: ص ۷۴)

”اے معاذ بن جبل لوگوں سے حسن اخلاق کے ساتھ پیش آنا“

اس لئے رسول اکرم ﷺ کی امت پر بھی لازم ہے کہ حسن اخلاق کا مظاہرہ کریں، یہی وہ طریقہ ہے جس کے ذریعے دشمنان اسلام کو بھی دامن اسلام سے وابستہ کیا جاسکتا ہے لیکن یہ بات بھی ضروری ہے کہ مباحات و منافقت اور حسن اخلاق میں فرق کیا جائے، دین کے خلاف ہرگز سرائی اور رسول اکرم ﷺ کی گستاخی پر خاموش رہنا اور غیرت ایمانی کا مظاہرہ نہ کرنا اور اسے حسن اخلاق قرار دینا قطعاً غلط ہے بلکہ یہ مباحات و منافقت ہے اور غیرت ایمانی سے محرومی کی دلیل ہے۔

دور حاضر میں امت مسلمہ بالخصوص نئی نسل کا ایک معتد بہ حصہ اچھے اخلاق سے عاری ہے۔ بڑوں کا ادب مفقود ہے، گفتگو میں شائستگی ناپید ہے، دینی اقدار سے لاعلمی بلکہ ان کا مذاق کھجور بن چکا ہے۔

اخلاقی گراؤ کی بنیادی وجوہ میں تین طبقے بہت نمایاں ہیں:

پہلا طبقہ:

مغربی ذہنیت کے حامل افراد کا اقتدار پر قبضہ ہے جن کی سرپرستی میں میڈیا نے فحاشی اور عیاشی کا کھجور عام کیا اور اسلام کی اعلیٰ اخلاقی اقدار کو پس پشت ڈال دیا بلکہ گندہ کشی کئی سالوں سے حالات بد سے بدتر ہی نہیں بدتر ہو رہے ہیں۔

دوسرا طبقہ:

دوسری بات فرقہ پرست جماعتوں کا وجود نامساعد ہے۔ جنہوں نے غیر مسلموں کا آکر کاربن کر دین اور مذہب کے نام پر ایسے افکار کو پروان چڑھایا جو قرآن و سنت سے متصادم اور اسلاف کی عزت و ناموس پر ناپاک تملہ ہے۔ اس سازش کے نتیجے میں محراب و منبر اخلاقیات کی تعلیم و تبلیغ سے محروم ہو گئے۔

تیسرا طبقہ: مادہ پرست چوروں کا ہے جن آستانوں سے اعلیٰ اخلاقی تربیت ہوتی تھی آج وہاں دولت کی ریل چل دیکھ کر مرید اپنے مرشد کی اجازت میں دنیا پرستی اور اس کے لئے اخلاقی قدروں کو کچل دینا خود ساختہ روحانیت کی معراج سمجھتا ہے۔



# اہل بیت اطہار اور احادیث رسول ﷺ

علامہ غفر حسین رحمتی



رسول انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث سے بے نیاز ہو کر قرآنی تعلیمات کو سمجھنا اور احکامات خداوندی کو عملی شکل دینا ممکن نہیں، حضور ﷺ کے ارشادات و فرائین امت کے لئے مشعل راہ ہیں۔ جو لوگ حدیث شریف کی طرف سے آنکھیں بند کر کے دینی، دنیاوی، سیاسی، مذہبی اور اعتقادی مسائل حل کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں وہ پرلے درجے کے جاہل اور بے وقوف ہیں۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ صاحب قرآن کے وسیلے کے بغیر اسلامی امور کو پہچانا جاسکے۔

آج کے دور میں احادیث رسول ﷺ کی اہمیت کو کم کرنے کے لئے جو درپردہ کام ہو رہا ہے وہ نہایت خطرناک ہے۔ وہ احادیث جو اللہ کے مقبول بندوں کی عظمت کی گواہ ہے ان کو کتاہوں سے نکالا جا رہا ہے۔ کچھ احادیث کے الفاظ کو بدلا جا رہا ہے۔ یہ کام عرب و عجم میں بڑے زور و شور سے ہو رہا ہے۔

اور وہ لوگ بھی بلاشبہ قابل مذمت ہیں کہ ہر اس حدیث کو ضعیف کہہ کر مسترد کر دیتے ہیں جو ان کے سطحی نظریات کے خلاف ہو۔ ان کی روش نے ملت اسلامیہ کو مختلف فرقوں میں تقسیم کر کے اسلامی وحدت کو بے حد نقصان پہنچایا ہے، یہی وجہ ہے کہ آج عالم اسلام کا شیرازہ اس قدر منتشر ہو چکا ہے کہ اس کو یکجا کرنے کی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی۔ اہل اسلام کی حالت یہ ہے کہ بھائی کا بھائی گھاکاٹ رہا ہے۔ لسانی اور صوبائی عصبیتیں جنم لے رہی ہیں۔

افسوس ہے دیانت و انصاف کے ان بے رحم قاتلوں پر جنہوں نے اپنے انتقامی جذبوں کی تسکین کے لئے معصوم ذہنوں میں زہر گھولا اور صدیوں سے رائج اسلامی روایات کو شرک و بدعت سے تعبیر کر کے مسلمانوں کے مابین افتراق کا بیج بویا۔

آئیے احادیث کی روشنی میں دیکھیں کہ مقام اہل بیت رسول کیا ہے اور رسول کریم ﷺ نے اپنی اولاد و عترت کے بارے میں کیا ارشادات فرمائے ہیں۔

### حدیث نمبر ۱

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو حجۃ الوداع کے موقع پر عرفہ کے دن اپنی اونٹنی قصو۱ پر فطیہ دیتے ہوئے میں نے سنا آپ نے فرمایا:

”اے لوگو! میں نے تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اسے پکڑے رکھو تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن عزیز) اور میرے گھر والے“ عترت و اہل بیت“ (جامع ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۱۹ طبع سید کبیری کراچی)

### حدیث نمبر ۲

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

میں تم میں ایسی دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم نے ان کو خوبصورتی سے تھامے رکھا تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ ان میں سے ایک دوسری سے بڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی رسی ہے اور میری عترت یعنی اہل بیت اور یہ دونوں ہرگز جد نہ ہوں گی یہاں تک کہ دونوں میرے پاس خوض کوثر پر آئیں گی۔ پس دیکھو کہ تم میرے بعد ان سے کیا سلوک کرتے ہو (جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۱۹)

### حدیث نمبر ۳

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ سے محبت کرو وہ تمہیں نعمتوں سے نذا عطا فرماتا ہے اور مجھ سے اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کرو اور میرے اہل بیت سے میرے سبب محبت کرو۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۱۹)

مندرجہ بالا تین احادیث جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بن عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۴۰ھ) نے اپنی عظیم ترین کتاب ’جامع ترمذی‘ میں نقل فرمائی ہیں، ان سے سرکار علیہ السلام کے گھروالوں کی عظمت کا پتہ چلتا ہے اور یہ ارشادات حضور ﷺ کی وصیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ اہل بیت رسول کی محبت و عقیدت کے بغیر ایمان ناقص اور دین نامکمل ہے مگر حیرت اس بات پر ہے کہ بعض لوگ اپنے آپ کو مسلمان بھی کہلاتے ہیں لیکن اگر ان کے سامنے شافع محشر رضی اللہ عنہ کی آل و عترت کی شان و عظمت کا تذکرہ بیان ہوتا تو ان کی حالت خار بست پر رہنے پشت زبردستی لٹائے ہوئے انسان کی طرح دکھائی دیتی ہے۔ خدا جانے ان کے دل کے تہ خانے بغض آل محمد سے اتنے لبریز کیوں ہیں؟

### حدیث نمبر ۵

حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے کعبہ شریف کا دورہ اترہ پکڑے ہوئے فرمایا (تاکہ اس حدیث کی اہمیت سننے والوں پر واضح ہو) کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے سنا:

خبردار کہ تم میں میرے اہل بیت کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہے۔ جو اس میں سوار ہو گیا وہ ہلاک ہونے سے بچ گیا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا وہ ہلاک ہو گیا۔

(رواہ احمد، مشکوٰۃ المصابیح، تانی صفحہ ۵۹۵ مطبوعہ المطبعة العربیہ لاہور، باہتمام دارالعلوم نعیمیہ)

مذکورہ حدیث مقدمہ سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ اہل بیت رسول کی محبت کا دامن چھوٹ جانا ہر طرح کی تباہی و بربادی کا موجب ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح طوفان نوح علیہ السلام کے وقت ذریعہ نجات صرف کشتی نوح علیہ السلام تھی اسی طرح تاقیامت ذریعہ نجات صرف محبت اہل بیت اور ان کی اطاعت و اتباع ہے، بغیر اطاعت و اتباع کے دعویٰ محبت نادر ہے۔

### حدیث نمبر ۵

اس پر جنت حرام ہے۔:

سید عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

اس شخص پر جنت حرام ہے، جس نے میرے اہل بیت پر ظلم کیا اور میری اولاد کے بارے میں مجھے تکلیف دی۔

(نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار، صفحہ نمبر ۱۱ مطبوعہ مسرین اشاعت ۱۹۶۳ء)

یزید لعین کو پیدائشی جنتی کہنے والے بغض و عناد اور تعصب کی عینک اتار کر، انصاف کا دامن تھام کر اس حدیث مبارکہ کو سامنے رکھ کر ذرا تھوڑی دیر کے لئے غور کریں تو حقیقت خود بخود آشکارا ہو جائے گی۔

سوچئے اور سمجھئے کہ صلاحیتوں کا کچھ حصہ اگر مفلوج ہونے سے بچ گیا، تو تو سرکار ﷺ کے ارشادات پر غصہ دل سے غور فرمائیں اور بتائیں کہ کہہ بلا کے مسافروں پر ظلم کرنے اور اولاد رسول کو تپتی ہوئی رہیت پر فزع کرنے کا حکم دینے والا اور دندان حسین پر اپنی ناپاک چھڑی سے خربشیں لگا کر رسول خدا ﷺ کو فایت پہنچانے والا کس طرح جنت کا مستحق ہو سکتا ہے۔

### حدیث نمبر ۶

سراور آنکھیں:

حضرت ابو ذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

میرے اہل بیت کو اپنے درمیان وہ مقام دو جو جسم میں سر کا اور سر میں آنکھوں کا مقام ہے اور سر آنکھوں ہی سے ہدایت پاتا ہے۔

(الشرف الموبد لال محمد ص ۲۸ مطبوعہ مصر)

مندرجہ بالا حدیث پاک پر غور کرنے سے جو بات نکھر کر سامنے آئی وہ یہ ہے کہ حضور خویہ گہاں ﷺ کے اہل بیت اور اولاد و عمرت کا مقام بہت بلند اور نہایت نازک ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل بیت کی تعظیم و تکریم بہت ضروری ہے۔ جسکی تو سرکار ﷺ اپنی امت کو یہ حکم فرما رہے ہیں کہ ”میرے اہل بیت کو اپنے درمیان وہ مقام دو جو جسم میں سر کا اور سر میں آنکھوں کا ہے“ سر نہی جسم سے بلند ہے، سر پر عظمتوں کے تاج سجائے جاتے ہیں۔ کس قدر بد بخت ہیں وہ لوگ جنہوں نے اہل بیت کے سروں کو نیزوں کی انیوں پر اچھالا۔

خیال رہے کہ جس طرح سر آنکھوں کے ذریعہ سے راہ پاتا ہے اسی طرح ملت اسلامیہ کو چاہئے کہ اہل بیت رسول کے عمل و کردار کی روشنی میں راہ ہدایت پر گامزن ہو۔

### حدیث نمبر ۷

تم میں سے بہتر وہ ہے:

علامہ زماں حضرت شیخ محمد بن الحسان علیہ الرحمہ والرضوان اپنی عظیم کتاب اسعاف الراغبین فی سیرۃ المصطفیٰ و فضائل اہل بیتہ الطاہرین میں حضرت امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے رقم طراز ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ سرور عالم ﷺ نے فرمایا:

کہ تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو میرے بعد میری اہل بیت کے حق میں اچھا ہو۔

## حدیث نمبر ۸

ایچھے سلوک کی تلقین:

ابن سعد اور منکانے نے اپنی سیرت میں ذکر کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

میرے اہل بیت کے ساتھ اچھا سلوک کرو میں قیامت کے دن ان کی طرف سے تمہارے ساتھ خاصیت کروں گا اور جس سے میں خاصیت کروں گا اللہ تعالیٰ بھی اس سے خاصیت کرے گا اور جس سے اللہ تعالیٰ عداوت کرے گا اسے دوزخ میں ڈال دے گا۔

(اسعاف الراغبین علی ہاشم نور الابرار ص ۱۱۱)

خاصیت: کے معنی عداوت و مخالفت اور دشمنی کے ہیں جس سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ اہل بیت کا دشمن خدا اور رسول کا دشمن ہے اور جو آل پیغمبر ﷺ کی مخالفت کرے گا قیامت کے روز خدا اور رسول ﷺ اس کی مخالفت کریں گے اور وہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔

## حدیث نمبر ۹

درازمہ دراز:

امام دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

جو شخص میری اولاد سے مجھے اذیت دے گا اللہ تعالیٰ کا اس پر شدید ترین غضب ہوگا۔

اور یہ بھی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو یہ چاہتا ہے کہ اس کی عمر دراز ہو اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اسے عطا فرمایا ہے اس سے لطف اندوز ہو۔

تو اسے میرے اہل بیت کے بارے میں میرا چاشنین ہونا چاہئے اور جو ان کے بارے میں میرا چاشنین نہ ہو (یعنی میری طرح ان سے محبت نہ کی) تو اس کی عمر کاٹ دی جائے گی اور وہ قیامت کے روز میرے پاس سیاہ چہرے لے کر آئے گا۔ (صواعق مخرقہ ص ۱۸۶)

## حدیث نمبر ۱۰

سال کی عبادت:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں:

آل محمد ﷺ کے ساتھ ایک دن کی محبت ایک سال کی عبادت سے افضل ہے اور جو ان کی محبت میں مر جائے وہ جنت میں داخل ہوگا۔

ادپردالی حدیث کو ایک بار پھر پڑھ لیں اور غور فرمانے کے بعد فیصلہ کریں کہ سرکار ﷺ کی بات پر عمل کرنا ہے یا اس مولوی کی خرافات پر جو اہل بیت کا دشمن اور یزید کا حامی ہے۔

## حدیث نمبر ۱۱

حب آل محمد ﷺ:

شیخ اکبر امام محی الدین رحمۃ اللہ علیہ بن عربی نے اپنی تفسیر میں، امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں، علامہ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر روح البیان میں، علامہ زحمتی نے تفسیر کشاف میں، علامہ بخاری نے نور الابرار میں، امام یوسف بن اسماعیل مہمانی نے اشرف الموبد آل محمد ﷺ میں سرکار ﷺ کی ایک طویل حدیث نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

جو شخص آل محمد ﷺ کی محبت پر فوت ہوا۔ اس نے شہادت کی موت پائی۔ خبردار! جو شخص آل محمد ﷺ کی محبت پر فوت ہوا وہ اس حال میں فوت ہوا کہ اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ خبردار! جو آل محمد ﷺ کی محبت پر فوت ہوا وہ تائب ہو کر فوت ہوا۔ خبردار! جو آل محمد ﷺ کی محبت پر فوت ہوا وہ مومن مکمل ایمان کے ساتھ فوت ہوا۔ خبردار! جو آل محمد ﷺ کی محبت پر فوت ہوا اسے پہلے ملک الموت اور پھر منکر کبیر جنت کی خوشخبری دیتے ہیں۔ اچھی طرح سن لو جو شخص آل محمد ﷺ کی محبت میں فوت ہوا اس کو بڑے اعزاز کے ساتھ جنت میں داخل کیا جائے گا جیسے دین کو امتراز کے ساتھ دلہا کے گھر پہنچایا جاتا ہے۔ خبردار! جو آل محمد ﷺ کی محبت پر فوت ہوا اس کی قبر میں جنت کے دو دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ خبردار! جو آل محمد ﷺ کی محبت پر فوت ہوا اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو رحمت کے فرشتوں کی زیارت گاؤ بنا دیتا ہے۔ سن لو کہ جو شخص آل محمد ﷺ کی محبت پر فوت ہوا وہ مسلک اہل سنت و جماعت پر فوت ہوا۔

حب آل محمد ﷺ:

کان کھول کر سن لو جو شخص آل محمد ﷺ کے بغض پر مراء، وہ قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان یہ الفاظ لکھے ہوں گے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید (مایوس) ہے۔ ”خوب ذہن نشین کر لو جو شخص آل محمد ﷺ کے بغض پر مراء وہ کافر مراء۔“ خبردار! جو شخص بغض آل محمد ﷺ پر مراء وہ جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکے گا۔

(تفسیر ابن عربی ج ۲، ۳۳۳ مطبوعہ بیت، تفسیر کبیر ج ۲، ۱۶۵، ۱۶۶ مطبوعہ ایران، تفسیر روح البیان ج ۸ ص ۳۱۲، نور الایصار ص ۱۱۳، ۱۱۵ مطبوعہ مصر، الشرف الموبد لال محمد ﷺ ص ۳ مطبوعہ مصر)

رسول کریم ﷺ کے ارشادات سے یہ امر روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہو گیا کہ حب اہل بیت کے بغیر ایمان نامکمل ہے اور جس کے دل میں حب آل رسول موجود ہو اس کو دونوں جہان میں عظمتوں سے سمنار، بلندی سے سرفراز اور شہادت کے اعلیٰ مقام پر فائز کیا جاتا ہے۔ اور جس کے دل میں بغض آل رسول ﷺ ہو اس کی بدبختی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اللہ کی رحمت سے ناامید اور جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکے گا اور کفر کا بوجھ اٹھانے قیامت کے دن ذلیل و خوار پھرے گا۔

وہ لوگ جن کے دلوں میں حب عزت و تنگی کی خوشبو بسی ہوئی ہے قیامت کے روز انہیں ہر طرح کے انعامات سے نوازا جائے گا اور ان کی قبروں میں رحمت کے فرشتوں کا ہجوم رہے گا۔

مندرجہ بالا روایت سے وہ لوگ عبرت حاصل کریں جو تبلیغ اور اشاعت اسلام کے پردے میں سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان و یقین کو کمزور کر رہے ہیں اور سنت رسول ﷺ کو بدعت کا نام دے کر انتشار کا باعث بن رہے ہیں۔ اسی سلسلے کی ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ۱۲

حافظ الحدیث امام ابن عساکر نے مولا علی کریم اللہ جہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

”جو میرے اہل بیت کے ساتھ احسان کرے گا میں اس کا بدلہ قیامت کے دن دوں گا۔“ (الصواعق المخرقة ص ۱۸۷)

حدیث نمبر ۱۳

امام ابن عساکر نے حضرت علی علیہ السلام سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے میرے (جسم کے) ایک بال کو بھی اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی۔

یزید لعین کی وکالت کرنے والے انصاف کے بے رحم قاتلو! کہ بلا کے پتے ہوئے ریگزاروں پر جن کو اذیتیں دے کر ذبح کیا گیا وہ رسول خدا ﷺ کے جگر کے ٹکڑے ہی تو تھے۔

حدیث نمبر ۱۴

حضرت ابن عدی اور امام دیلمی نے حضرت مہ لاطی علیہ السلام سے بیان کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

تم میں پہل صراط پر سب سے زیادہ ثابت قدم وہ ہوگا جو میرے اہل بیت سے اور میرے صحابہ سے زیادہ محبت رکھتا ہوگا۔ (الصواعق المخرقة ص ۱۸۷)

حدیث نمبر ۱۵

صحیح روایت میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

میرے رب نے میرے گھرانے کے بارے میں مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ جو ان میں سے توحید اور رسالت کا اقرار کرے گا اس تک یہ اطلاع پہنچا دو کہ میں اسے خدا کا پیارا بنائوں گا۔ (الصواعق المخرقة ص ۲۳۵)

حدیث نمبر ۱۶

چار آدمیوں کی شفاعت:

سید عالم ﷺ نے اعلان فرمایا۔

قیامت کے روز میں چار آدمیوں کی سفارش کروں گا:

جو میری اولاد کی عزت کرنے والا ہوگا جو ان کی ضروریات کو پورا کرے گا۔

اور جب وہ مجبوری کے عالم میں اس کے پاس آئیں تو وہ ان کے معاملات کو نپٹانے میں کوشش کرنے والا ہوگا۔

اور جو قلب و زبان سے ان کے ساتھ محبت کرنے والا ہوگا۔ (صواعق مخرقة ص ۲۳۹)

حدیث نمبر ۱۷

حضرت امام طبرانی سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

کوئی بندہ مومن نہیں ہو سکتا جب تک مجھے اپنی جان سے اور میری اولاد کو اپنی اولاد سے اور میرے اہل کو اپنے اہل سے اور میری ذات کو اپنی ذات سے زیادہ محبوب نہ جانے۔  
(الشرف الموبد ص ۸۵)

ہر مسلمان کو چاہیے کہ ان احادیث پر غور کرے اور ان پر عملی صورت اختیار کرنے کی کوشش کرے۔ ان فرامین رسول اللہ ﷺ سے معلوم ہوا کہ جو شخص سرکار علیہ السلام کے اہل بیت پر کوئی احسان کرے گا تو آقا علیہ السلام سے انعام پائے گا اور اہل صراط پر ثابت قدم رہے گا اور جو اہل بیت کی تعظیم و تکریم کرے گا اور ان کی حوائج پوری کرے گا وہ قیامت کے روز شفاعت رسول ﷺ کا مستحق ہوگا۔  
اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جو اولاد رسول میں سے توحید و رسالت کا اقرار کرے گا قیامت کے روز وہ عذاب سے محفوظ رہے گا۔ یہ تمام انعامات حضرت رسول ﷺ کی محبت کی وجہ سے حاصل ہوں گے۔

حدیث نمبر ۱۸

تین باتیں:

امام دیلمی نے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اپنی اولاد کو تین باتوں کا علم سیکھاؤ۔ (وہ تین باتیں یہ ہیں) اپنے نبی کریم ﷺ کی محبت اور اس کے اہل بیت کی محبت کا (اوپر سکھاؤ) اور تلاوت قرآن و حدیث کا۔  
(الصواعق المخرقة ص ۱۷۲)

حدیث نمبر ۱۹

حضور نے قسم اٹھائی:

صحیح روایت میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ہم اہل بیت سے کوئی شخص بغض نہ رکھے ورنہ اللہ تعالیٰ اسے آگ میں داخل کرے گا۔

حدیث نمبر ۲۰

منافق کی پہچان:

امام احمد نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا:

اہل بیت سے بغض رکھنے والا منافق ہے۔

برادران اسلام! جو شخص آلِ پیغمبر علیہ السلام سے بغض رکھے وہ اپکا منافق ہے خواہ وہ کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتا ہو، کیونکہ بغض اہل بیت کی نیاری میں گرفتار لوگ تمام فرقوں میں پائے جاتے ہیں۔

حدیث نمبر ۲۱

آگ کے کوڑے:

امام ابن حجر مکی نے امام طبرانی کے حوالے سے بسند ضعیف حضرت امام حسین علیہ السلام سے مرفوعاً روایت نقل فرمائی ہے۔

ہم سے جو شخص بغض اور حسد رکھے گا اسے قیامت کے روز آگ کے کوڑوں سے خوش کوثر سے پٹایا جائے گا۔

(الصواعق المخرقة ص ۱۷۳)

دیانت و انصاف کا خون کرنے والے بڑے حامد، عزت مصطفیٰ ﷺ سے بغض رکھنے والے منافقو! ان احادیث پر غور کرو، غضب خداوندی کو دعوتِ ندد و قیامت آنے والی ہے۔

حدیث نمبر ۲۲

آلِ محمد ﷺ پر صدقہ حرام ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے۔

کہ یہ (صدقہ) لوگوں کی میل بیکل ہے اور یہ محمد و آلِ محمد ﷺ کے لئے حلال نہیں ہے۔  
(الشرف الموبد ص ۳۴)

صدقہ لوگوں کی میل پکیل ہے اور ان کو نجاستوں، گندگیوں اور آلودگیوں سے پاک کرتا ہے اور ان کے احوال و نفوس کو صاف کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی اولاد اور اپنے آپ کے لئے صدقہ کو حرام فرمایا، حتیٰ کہ حضور ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع کو بھی صدقہ لینے سے منع فرمایا۔

سرکار کے غلاموں کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ یہ سچ ہے اور چشم عالم نے بارہا اس کا مشاہدہ کیا کہ دنیا کے نامور تاجدار اپنے دامن کو پھیلائے حضور کے غلاموں سے بھیک مانگ رہے ہیں۔

لیکن صدقہ افسوس کہ اس دور میں بعض سادات کی رگوں میں صدقہ وزکوٰۃ خون بن کر دوڑ رہا ہے اور دوسری افسوس ناک بات یہ ہے کہ وہ صدقہ خور سادات اپنے آیاؤ اچاد کے۔۔۔ بڑی طرح دشمن۔۔۔ اور خاریجوں کی طرح مخالف ہیں۔۔۔ شاکہ یہ صدقہ خوری کے اثرات ہیں۔۔۔ یا پھر مال کی میل پکیل کی کارستانی۔

اے حبیب کبریا۔۔۔ اے سید الانبیاء۔۔۔ اے سرور کون و مگن۔۔۔ اے رحمت عالم ﷺ۔۔۔ اپنی آل کی طرف نظر کرم فرمائیے۔۔۔ ان میں سے بعض کو صدقہ وزکوٰۃ کا چکا پڑ چکا ہے۔۔۔ یہ آب شور کو آب زلال سمجھ کر پی رہے ہیں۔۔۔ یہ لوگوں کے مال کی میل پکیل کو اپنے پیٹ میں اتار کر اپنے من کو میلا کر رہے ہیں۔

اے ساقی کوثر!۔۔۔ صدقہ خور سادات پر نگاہ پرورش فرمائیے۔۔۔ یہ آہستہ آہستہ کینہ دنیا کی دلدل میں دھنستے جا رہے ہیں۔۔۔ روحانیت کی چمک مکمل طور پر ماند پڑ چکی ہے۔۔۔ چمکدار چہروں پر سیاہی پکھلتی جا رہی ہے۔۔۔ ضمیر مردہ ہوتے جا رہے ہیں۔۔۔ تیرے دین متین کے نام پر سودے بازی کر رہے ہیں۔۔۔ ان کے خون کی سرخی سیاہی مائل ہوتی جا رہی ہے۔

یا رسول اللہ! ان کو سنبھالئے۔۔۔ یہ قعر نہلت میں گرے کو ہیں، اپنے کرم سے ان کو تھام لیجئے۔۔۔ اپنے لخت جگر حسین علیہ السلام کے حلقوم سے صدقہ کی سمجھور نکال کر پھینکنے والے آقا۔۔۔ ان سے صدقہ کے مال کی زنجیلیں چھین لیجئے۔۔۔ رحم فرمائیے۔۔۔ کرم کیجئے۔

حدیث نمبر ۲۳

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں، کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

میرے اہل بیت کی مثال نور علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہے جو شخص اس میں سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا اور جو اس سے چھپے رہ گیا غرق ہو گیا۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۰۶، امام ابو نعیم متوفی ۴۳۰، مطبوعہ بیروت لبنان)

حدیث نمبر ۲۴

نفس رسول:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا:

قیامت کے دن تمام تعلق اور نسب منقطع ہو جائیں گے سوائے میرے تعلق و نسب کے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۱۲، مطبوعہ بیروت سن اشاعت ۱۹۸۰ء)

مطلب اس کا یہ ہے کہ کل قیامت کے روز کسی کا حسب و نسب کام نہ آئے گا سوائے حضور ﷺ کے حسب و نسب کے۔

اس حدیث پر وہ لوگ ضرور غور فرمائیں جن کا عقیدہ یہ ہے کہ فضیلت نسبت کوئی چیز نہیں، ایسے عقیدہ میں بھی اہل بیت کا بغض چھپا ہوا ہے جو بعض مواقع پر آگ کی صورت میں ظاہر ہونی جاتا ہے۔

حدیث نمبر ۲۵

حضرت امام احمد اور حاکمی نے ام المومنین عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا سے روایت کی کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا، مجھے جبرئیل امین نے کہا۔ میں نے زمین کے مشرق و مغرب الٹ ڈالے لیکن میں نے محمد ﷺ سے افضل کسی کو نہیں پایا اور میں نے زمین کے شرق و غرب چھان ڈالے مگر مجھے نبوہاشم سے زیادہ فضیلت والے کسی باپ کے بیٹے نہیں ملے۔

(الشرف الموبد ص ۳۸)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اہل بیت رسول، عزت و تفضیل ﷺ اور اولاد و تول رضی اللہ عنہما تمام لوگوں سے حسب و نسب میں افضل ہیں اور اس اعتبار سے ان کا کوئی ہم سر نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۲۶

رد و شریف:

امام محمد شین، حافظ اللہ ریث امام ابو بکر احمد بن حسین بن یحییٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ (متوفی ۳۵۸ھ) سنن کلمی میں حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ

اگر میں نماز پڑھوں اور اس میں محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کی آل پر درود شریف نہ پڑھوں تو میں اس کو مکمل نہیں سمجھتا۔  
(السنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۳۷۹ مطبوعہ نشر السنۃ، مکتان پاکستان)

حدیث نمبر ۲۷

مختصر ﷺ نے فرمایا:

جس شخص نے نماز پڑھی اور مجھ پر اور میرے اہل بیت پر درود نہ پڑھا اس کی نماز قبول نہیں کی جائے گی۔  
(الصواعق المخرقة ص ۲۳۳)

حدیث نمبر ۲۸

حضرت مولانا علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے

ہر دعا کو روک دیا جاتا ہے یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کی آل پر درود پڑھا جائے۔  
(فیض القدر ج ۵ ص ۱۹ مطبوعہ مصر سن اشاعت ۱۳۵۶ھ)

حدیث نمبر ۲۹

فیض القدر میں یہ بھی ہے:

اللہ تعالیٰ دعا قبول نہیں کرتا جب تک سرکار ﷺ اور آپ کی آل پر درود نہ پڑھا جائے۔ (فیض القدر ج ۵ ص ۱۹ مطبوعہ مصر سن اشاعت ۱۳۵۶ھ بحوالہ فضائل الختمہ من الصالحات ج ۱ ص ۲۳۹)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آل رسول ﷺ پر درود پڑھنا بھی آپ ﷺ پر درود پڑھنے کی طرح واجب ہے۔ (الصواعق المخرقة ص ۲۳۳)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار:

یا اھل بیت رسول اللہ خاتم  
فرض من اللہ فی القرآن انزلہ  
کفاکم من عظیم القدر انکم  
من لم یصل علیکم لا صلاۃ لہ

اے رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت تمہاری محبت اللہ رب العزت کے نازل کردہ قرآن مجید میں فرض قرار دی گئی ہے تمہارے عظیم القدر ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ جو تم پر درود نہ پڑھے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔ (الصواعق المخرقة ص ۲۳۳)

مندرجہ بالا احادیث اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے آل رسول کی فضیلت جو ظاہر ہوتی ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ نماز و دعا کی قبولیت کا راز اس امر میں مشتمل ہے کہ نبی ﷺ اور آل نبی ﷺ پر درود پڑھا جائے۔

حدیث نمبر ۳۰

شفاعت رسول ﷺ:

حضور نبی کریم ﷺ محبوب خدا ﷻ کا ارشاد گرامی ہے ہم اہل بیت کی محبت لازم پکڑو کیونکہ ہماری محبت والا جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملے گا، ہماری شفاعت سے جنت میں جائے گا۔

اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ہمارا حق پہنچانے بغیر کسی بندے کا عمل اسے فائدہ نہ دے گا۔  
(الشرف الموبد لال محمد ﷺ ص ۸۵)

حدیث نمبر ۳۱

محبت اہل بیت اور عوفی کوثر:

سرور عالم، محبوب رب العالمین ﷺ نے فرمایا:



میرے اہل بیت اور میرے وہ اتنی جوان سے محبت رکھتے ہیں، جنوں کوڑ پران دو انگلیوں کی طرح ایک ساتھ وارہوں کے (آپ ﷺ نے انکشت شہادت اور درمیانی انگلی کو جوڑ کر ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا)

حدیث نمبر ۳۲

جو یہ چاہتا ہے:

حضرت امام ولیسی بیان کرتے ہیں کہ حضور شفیع عاصیاں ﷺ نے فرمایا "جو شخص وسیلہ چاہتا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ میری بارگاہ میں اس کی کوئی خدمت ہو، جس کی بدولت میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں۔

تو پھر اسے میرے اہل بیت کی خدمت کرنی چاہئے اور انہیں خوش کرنا چاہئے۔ (الشرف الموبدل محمد ﷺ ۸۵)

حدیث نمبر ۳۳

یہودی:

حضرت امام طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ ہمیں رسول کریم ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا تو میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا۔

اے لوگو! جو شخص ہم اہل بیت کے ساتھ بغض رکھے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا حشر یہودیوں کے ساتھ کرے گا (یعنی اسے یہودی بنا کر اٹھائے گا۔)

(الشرف الموبدل محمد ﷺ ۹۲)

حدیث نمبر ۳۴

اہل بیت کی دشمنی میں مرنے والا:

حضرت علامہ یوسف بن اسماعیل مہمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اشرف الموبد میں امام طبرانی اور امام حاکم کے حوالے سے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت بیان کی کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

اے بنو عبدالمطلب! میں نے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے تین چیزوں کی دعا کی ہے۔۔۔ ان نصبت قائمکم۔۔۔ تم میں جو دین پر قائم ہے اسے ثابت قدمی عطا فرمائے۔۔۔ وان یعلم جہالکم۔۔۔ اور تمہارے بے علم کو علم عطا فرمائے۔۔۔ ویبھدی ضالکم۔۔۔ اور تمہارے بے راہ کو ہدایت فرمائے۔ اگر کوئی شخص بیت اللہ کے ایک کونے اور مقام ابراہیم کے درمیان چلا جائے اور نماز پڑھے اور روزے رکھے پھر وہ اہل بیت مصطفیٰ ﷺ کی دشمنی پر مچ جائے تو دوزخ میں جائے گا۔ (الشرف الموبد ص ۹۲)

حدیث نمبر ۳۵

امام ابن عدی اور امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی نے "شعب الایمان" میں حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا من لم یعرف عترتی والانصار فهو لا حد ثلاث

جو شخص میری (اولاد) اور میرے مددکاروں کو نہیں پہچانتا (یعنی تعظیم نہیں کرتا) تو اس کی تین میں سے کوئی ایک وجہ ضرور ہو گی۔۔۔ اما منافق۔۔۔ یا تو وہ منافق ہے۔۔۔ واما لونیۃ۔۔۔ یا وہ حرام زادہ ہوگا۔۔۔ واما لغیر طہر یعنی حملتہ امہ علی غیر طہر۔۔۔ یا جب اس کی ماں اس سے حاملہ ہوئی ہوگی تو وہ پاک نہیں ہوگی۔۔۔ (الشرف الموبد ص ۹۲)

مندرجہ بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ وہ شخص نہایت بد بخت ہے، جس کے دل میں بغض رسول کی چنگاریاں سلگ رہی ہیں اور وہ شخص نہایت خوش مقدر ہے جس کے دل میں حب آل رسول موجود ہو۔ سرکار ﷺ نے اپنی آل کے حقوق کے تحفظ کے بارے میں جو ارشادات فرمائے ہیں وہ نہایت واضح ہیں۔

یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ حضور ﷺ اور آپ کی آل کا حق پہچانے بغیر کسی شخص کا کوئی عمل اسے فائدہ نہیں پہنچائے گا اور وہ شخص شفاعت رسول ﷺ سے قیامت کے روز محروم رہے گا۔ جس کے دل میں بغض آل رسول ﷺ ہو، قیامت کے دن اس کا حشر یہودیوں کے ساتھ ہوگا، جو دنیا کی ذلیل ترین قوم ہے۔ دشمن اہل بیت قرآن و حدیث کی رو سے پکا منافق ہے اس کی منافقت پر کسی قسم کے شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ خیال رہے کہ بعض لوگ تو حید کے نام پر نہایت ظالمانہ رویہ اختیار کیے ہوئے ہیں، جس کے سبب ملت اسلامیہ مختلف گروہوں میں بٹ چکی ہے، وحدت و یکجہتی کی بجائے صوبائی، لسانی، نسلی اور خانہ دانی تعصب کا فکار ہو چکی ہے۔ بعض لوگ تو جان بوجھ کر ایسا کر رہے ہیں اور بعض لوگ غلط فہمی کا فکار ہیں، جو لوگ مغالطہ دیے گئے ہیں انہیں ہمارے دلائل کو سونپنے پر ضرور مجبور کریں گے، جو اپنے جہت باطن کے

ہاتھوں مجبور ہیں ان پر قرآن وحدیث بہت ہی کم اثر انداز ہوتے ہیں، اس لیے وہ اپنی گستاخانہ روش کے باعث اسلام سے ایسے نکل جاتے ہیں جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے، ان کو ہر بات شرک اور ہر کام بدعت نظر آتا ہے۔ سعید القفطری انسانوں کے لئے تو اشارہ ہی کافی ہے مگر اشقیاء کو پہاڑوں کی طرح مضبوط اور زنی دلائل بھی متاثر نہیں کرتے اور وہ اس کی وہی ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے۔

حدیث نمبر ۳۶

جنت کا درخت:

حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

میں اور میرے اہل بیت جنت کا درخت ہیں اور اس کی شاخیں دنیا میں ہیں جو ان سے تمسک کرے گا (یعنی عقیدت و محبت سے ان کا دامن تھامے گا) وہ اپنے رب کی طرف سے راستہ پائے گا۔

(صواعق خرقہ ص ۲۳۶ ذخائر العقبیٰ ص ۱۶ مطبوعہ مصر)

مذکورہ بالا حدیث کے مطابق جو آخرت میں جنت کی بہاریں لوٹنا چاہتا ہے اور وہ اپنے رب کی طرف ہدایت کے راستے کا متمنی ہے وہ اپنے دل میں محبت اہل بیت رسول ﷺ پیدا کرے۔

حدیث نمبر ۳۷

باب ط:

سرور دو جہاں رحمت انس و جان ﷺ کا ارشاد ہے:

میرے اہل بیت کی مثال تم میں بنی اسرائیل کے "باب ط" کی طرح ہے جو اس میں داخل ہوگا بخشا جائے گا۔ (الصواعق الخرقہ ص ۲۳۶)

خالق کائنات نے قرآن مجید میں باب ط سے متعلق ارشاد فرمایا ہے اور بنی اسرائیل کو اس دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونے کا حکم فرمایا:

اور (اے بنی اسرائیل) دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا اور کہتے جانا ہمارے گناہ معاف ہوں، ہم بخش دیں گے تمہاری خطاؤں کو اور ہم زیادہ دیتے ہیں تیل کا رو کو۔

(پارہ اول سورۃ بقرہ آیت ۵۸)

بیت المقدس میں یہ دروازہ بنی اسرائیل کے لئے بمنزلہ کعبہ کے تھا کہ اس میں داخل ہونا اور اسی کی طرف سجدہ کرنا گناہوں کے کفارہ کا سبب قرار دیا گیا۔ اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ مقامات شہرہ کہ جو رحمت الہی کے مورد ہوں، وہاں تو یہ کرنا اور اطاعت، بجالانا شریعت نیک اور سرعہ قبول کا سبب ہوتا ہے۔ اسی لئے صالحین کا دستور رہا ہے کہ انبیاء و اولیاء کے موالد (جائے ولادت) اور محارقات پر حاضر ہو کر استغفار و اطاعت، بجالاتے ہیں۔ عرب و زیارت میں بھی یہ فائدہ مند ہے۔

(تفسیر خزائن العرفان)

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اپنی تفسیر فتح العزیز میں امام ابو بکر بن شیبہ کے حوالے سے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے ایک صحیح روایت کرتے ہیں۔

بے شک ہماری مثال اس امت میں کشتی نوح علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے دروازہ ط کی طرح ہے۔

(تفسیر عزیزی اردو جلد اول ص ۳۵۸ مطبوعہ سعید سکنی کراچی)

حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ پاک میں آپ کی قوم کے لئے ذریعہ نجات صرف کشتی نوح تھی اور بنی اسرائیل کے لئے گناہوں کی بخشش کا ذریعہ باب ط تھا، اسی طرح امت مصطفویٰ کے لئے بخشش و نجات کا ذریعہ اہل بیت رسول ﷺ کی عقیدت و محبت ہے۔ جس طرح کشتی نوح علیہ السلام سے پیچھے رہنے والے فرقہ و ہلاک ہو گئے اور باب ط سے گزرتے وقت جن بنی اسرائیل کے لوگوں نے ط (بخشش مانگتے ہیں ہم) کی بجائے حسد (گندم) کہنا شروع کر دیا، وہ طاعون کا شکار ہو کر دو پہر تک ستر ہزار آدمی مر گئے۔ اسی طرح مخالفین اہل بیت دینی اور دنیاوی طور پر تباہ و برباد ہو جائیں گے، اس فرمان رسول ﷺ پر عمل کرنا ہر مسلمان کے لئے بہت ضروری ہے، ورنہ دونوں جہانوں میں ذلت و رسوائی اس کا مقدر ہے۔

حدیث نمبر ۳۸

مقتی اور شقی:

علامہ ابن حجر مکی نے جناب محبت طبری سے روایت نقل فرمائی ہے:  
ہم اہل بیت سے مومن اور مقتی محبت رکھتا ہے، منافق اور شقی ہم سے بغض رکھتا ہے۔  
(صواعق محرقہ ص ۲۳۲)

حدیث نمبر ۳۹

امام احمد نے روایت بیان کی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:  
"اے گروہ بنی ہاشم! اس خدا پاک کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ نبی مبعوث فرمایا اگر میں مخلوق میں سے جنتیوں کو چنوں تو تم سے  
آغاز کروں۔"  
(صواعق محرقہ ص ۲۳۵)

حدیث نمبر ۴۰

پہلے اہل بیت:

طبرانی اور دارقطنی نے بیان کیا ہے:

میں اپنی امت میں سے سب سے پہلے اپنے اہل بیت کی شفاعت کروں گا، پھر قریش کے اقرب آدمیوں کی، پھر انصار کی، پھر ان کی  
جو مجھ پر ایمان لائے اور میری اتباع کی، پھر اہل یمن کی، پھر دوسرے اہل عرب کی، پھر عجمیوں کی اور جس کی میں پہلے شفاعت  
کروں گا وہ افضل ہوگا۔  
(اسعاف الراشدين علی بائش نور الابصار ص ۱۱۲)

"آل رسول ﷺ از روئے حدیث" کے عنوان کے تحت چالیس احادیث نقل کی گئیں ہیں اور "آل رسول از روئے قرآن" کے تحت بھی  
کافی احادیث بیان ہوئی ہیں۔ جو مومن اور مقتی کے لئے بہت بڑا سرمایہ ہیں، مگر منافق اور شقی کے نزدیک ان تمام دلائل کی حیثیت کیا ہو سکتی  
ہے؟ اگر بغیر غائب دیکھا جائے تو منافقین کا گروہ صرف ان چند قرآنی آیات کو مانتا ہے جو بتوں کے بارے میں نازل ہوئیں۔ وہ بھی اس  
لئے کہ ان آیات کو انبیاء و اولیاء پر چسپاں کر کے اپنی آتش انتقام کو ٹھنڈا کر سکے۔

قارئین!

ان فرامین رسول ﷺ کی روشنی میں اہل بیت رسول ﷺ کی عنکبوتوں پر غور فرمائیں اور دوسری طرف دشمنانِ عنقریب رسول ﷺ کی بے بود گیوں  
کو دیکھیں، تو آپ کو خود بخود اندازہ ہو جائے گا کہ یہ ٹولہ کس قدر اسلام سے دور جا چکا ہے۔  
جو نورانیتِ رسالتِ مآب ﷺ کو نہ مانے، جو علم نبوت کو تسلیم نہ کرتا ہو۔۔۔ جو عصمتِ انبیاء کا انکار کرتا ہو۔۔۔ جو استمدادِ رسل کا کفر کی حد  
نیک منکر ہو۔۔۔ وہ اولادِ رسول ﷺ کا حسبِ دار کس طرح ہو سکتا ہے؟ ہم تو صرف یہی صدا بلند کر سکتے ہیں۔

اگر سب است و خطر سخت رہ نمیدانی

چند چشم و بیا برقائے آل رسول ﷺ

(امام احمد رضا)

اگر رات ہے۔۔۔ سخت خطرہ ہے اور تو راستہ بھی نہیں جانتا تو پھر اپنی آنکھیں بند کر کے آل رسول ﷺ کی پیروی میں آ جا۔



اپنی طرز کا ایک خوبصورت انسان



حضرت علامہ صاحبزادہ مدظلہ العالی

# محمد عبدالملک چشتی

ملنسار، خوش اخلاق، سادگی و قناعت کا پیکر، دانشور عالم دین اور شیخ طریقت حضرت علامہ صاحبزادہ محمد عبدالملک چشتی مدظلہ العالی جامعہ اکبریہ میانوالی کے مہتمم اور درگاہ اکبریہ کے سجادہ نشین ہیں۔ جماعت اہل سنت پاکستان کی مرکزی شوری کے رکن ہیں جبکہ گزشتہ دور میں جماعت اہل سنت کے مرکزی نائب امیر بھی رہ چکے ہیں۔ صاحبزادہ محمد عبدالملک چشتی مسلک اہل سنت کی ترقی کے لئے فکر مند رہنے اور نو نہالان قوم کی تعلیم و تربیت کے لیے در در کھنے والی شخصیت ہیں۔ مذہبی اور سیاسی لحاظ سے علاقائی سطح پر خاصے مؤثر ہیں۔ مدیر اعلیٰ "دلیل راہ" کے حکم پر راقم الحروف اپنے قلم کار رفقاء علامہ سید شبیر حسین شاہ گیلانی، قاری محمد اسلم ضیائی اور علامہ محمد منظور عالم سیالوی ناظم اعلیٰ جماعت اہل سنت ضلع میانوالی کی معیت میں انٹرویو کی غرض سے صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس موقع پر آپ سے ہونے والی گفتگو میں ہم چاہیں گے کہ دلیل راہ کے قارئین بھی شامل ہو جائیں۔۔۔۔۔ عبدالجید مغل

❦ دلیل راہ: میانوالی اور گردونواح میں آپ کے تعلیمی ادارے کی کافی شہرت ہے۔ ہم آپ کے ادارے کے مختلف شعبہ جات سے متعلق تفصیلات جاننا چاہیں گے؟

✳️ صاحب زادہ صاحب: میرا ادارہ جامعہ اکبریہ کے نام سے قائم ہے۔ میری اس مسجد ”جامع مسجد اکبریہ“ کی بنیاد میرے پردادا امیام غلام حسین نے رکھی تھی جبکہ مدرسہ ۱۹۰۷ء میں میرے دادا محترم نے اسی مسجد میں قائم فرمایا تھا۔ دادا جان خواجہ محمد اکبر علی چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کے چچا و مرشد حضرت خواجہ احمد میروی رحمۃ اللہ علیہ (میرا شریف ضلع اٹک) جو خلیفہ مجاز تھے حضرت شاہ سلیمان تونسوی کے انہوں نے یہاں اس مسجد میں مقرر فرمایا تھا۔ آغاز میں یہاں صرف شعبہ حفظ معہ تجوید کی تعلیم کا انتظام تھا بعد ازاں درس نظامی کا بھی آغاز کر دیا گیا۔ انتہائی قابل اساتذہ اور صوفیاء و کرام طلبہ کی تعلیم و تربیت پر مامور تھے۔ حضرت دادا محترم خود بھی پڑھاتے تھے۔ مشہوری مولانا روم اور احادیث شریف کا درس باقاعدگی سے دیتے تھے اور یہ درس کا سلسلہ آپ کے انتقال تک جاری رہا۔ وقت کے ساتھ ساتھ ادارہ میں ترقی ہوتی رہی ہے۔ اس وقت جامعہ اکبریہ میں مندرجہ ذیل چار شعبہ جات ہیں:

(۱) حفظ القرآن معہ تجوید:

اس شعبہ میں رہائشی اور غیر رہائشی دونوں طرح کے طلبہ زیر تعلیم ہیں۔

(۲) درس نظامی مکمل معہ جزوی دورہ حدیث:

شعبہ درس نظامی میں تدریس کے لئے قابل اور تحقیقی اساتذہ کا تقرر کر رکھا ہے۔ میں خود بھی پڑھاتا ہوں لیکن اب چٹائی کزور ہونے کی وجہ سے میں کسی حد تک تدریس سے علیحدہ ہوں۔ دورہ حدیث کے طلبہ کو ایک سال تک یہاں ہی پڑھاتے ہیں اس کے بعد جامعہ نظامیہ لاہور بھیجا دیتے ہیں۔ دورہ حدیث کی تکمیل وہاں سے کرتے ہیں۔

(۳) جامعہ اکبریہ ٹیکنیکل سنٹر:

ٹیکنیکل سنٹر میں طلبہ کو کمپیوٹر، ذوم اپلائیمنسز اور الیکٹریکل کورسز کروائے جاتے ہیں۔ اس تعلیم کا اہتمام حکومت پنجاب کرتی ہے۔ پنجاب حکومت نے ایک اسکیم کا اعلان کیا تھا کہ ہر ضلع میں ایک ماڈل مدرسہ کو منتخب کیا جائے اور اس مدرسہ کی عمارت میں اس قسم کے ٹیکنیکل کورسز شروع کیئے جائیں جن پانچھٹے والے اخراجات حکومت برداشت کرے گی۔ چنانچہ ہمارا ادارہ اس مقصد کے لئے منتخب کیا گیا۔ عمارت ہم نے دی ہے۔ مذکورہ ٹیکنیکل تعلیم کے لئے مقرر اساتذہ کی تنخواہوں کی ادائیگی اور کلاس رومز کا فرنیچر وغیرہ مہیا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اس میں میٹرک پاس طلبہ داخلہ کے اہل ہیں اور یہ تعلیم شام کے اوقات میں تین گھنٹے کے لئے ہوتی ہے۔

(۴) اکبریہ ماڈل سکول:

اس سکول میں چار سو کے لگ بھگ طلبہ و طالبات زیر تعلیم ہیں۔ طالبات کا شعبہ علیحدہ ہے۔ طالبات کو ماڈل تک تعلیم کے ساتھ قرآن مجید حفظ کروایا جاتا ہے جبکہ میٹرک کے ساتھ درجہ خامہ اور خاصہ تک دینی تعلیم مکمل کروائی جاتی ہے۔ اب ہم نے نیو کمپس کے طور پر الگ قطعہ زمین حاصل کر لیا ہے۔ شعبہ طالبات کو بالکل الگ کر دیا جائے گا۔ عمارت کی تعمیر شروع ہو چکی ہے۔ یہاں کالج برائے طالبات قائم کیا جا رہا ہے۔ یہ اقامتی ادارہ ہوگا۔ گزشتہ سال حضرت دادا جان کے سالانہ عرس کے موقع پر منسلک اسلام قبلہ سید ریاض حسین شاہ صاحب مرکزی ناظم اعلیٰ جماعت اہل سنت پاکستان نے اپنی دعا کے ساتھ اس کا افتتاح فرمایا تھا۔

❦ دلیل راہ: آپ کے دادا محترم کے دور میں جو علماء کرام اس دارالعلوم سے فارغ ہوئے، کیا ان میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی ہم جان سکتے ہیں؟

✳️ صاحب زادہ صاحب: جہاں تک مجھے معلوم ہے ان میں سے علامہ قاضی نور احمد صاحب، علامہ احمد خان روکھڑی اور مولانا غلام محمد قریشی زیادہ مشہور ہونے۔

❦ دلیل راہ: آپ ایک روحانی اور علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ کیا آپ قارئین دلیل راہ کو اپنے آباؤ اجداد کی دینی و علمی خدمات سے آگاہ فرمائیں گے؟

✳️ صاحب زادہ صاحب: درگاہ اکبریہ کو میانوالی ضلع میں ایک روحانی اور دینی مرکز سمجھا جاتا ہے۔ میرے آباؤ اجداد تقریباً پانچ سو برس قبل افغانستان سے ہجرت فرما کر میانوالی کے علاقہ کچیلوخیل جہاں اب چشمہ دیم بنا ہے وہاں آباد ہوئے۔ میانوالی کسی زمانہ میں صوبہ سرحد کا حصہ ہوا تھا، یہ ضلع بنوں کی تحصیل ہوا کرتی تھی ۱۹۰۴ء میں میانوالی کو صوبہ پنجاب میں شامل کیا گیا۔ میانوالی میں یہ سید میرے پردادا امرحوم نے

۱۹۵۱ء میں شروع کروائی تھی۔ میرے دادا محترم خلیفہ محمد اکبر علی چشتی نے دینی کتب علامہ احمد دین کاغذی، حضرت میاں محمد یحییٰ شریف اور جناب مولانا فقیر محمد صاحب کوٹ چاند نہ سے پڑھیں۔ اس وقت ہمارے ہاں پنجاب میں کسی بھی جگہ دورہ حدیث کی تعلیم کا انتظام نہیں تھا چنانچہ دادا محترم نے دورہ حدیث دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۵۶ء میں کیا۔ دادا جان کو بحیثیت خطیب اس مسجد میں خلیفہ احمد میر دی خلیفہ مجاز شاہ سلیمان قنوسی رحمۃ اللہ علیہ نے مقرر فرمایا۔ اس کے بعد دادا مرحوم نے ہی جامعہ اکبر یہ قائم فرمایا۔ علاقہ بھر کے لوگوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام فرماتے رہے۔ میرے دادا جان نے ۱۹۷۰ء سے ۱۹۵۶ء تک تقریباً نصف صدی دینی خدمت میں گزاری۔ والد گرامی نے ۱۹۵۶ء سے ۱۹۸۶ء تک اسی مشن میں صرف کیے۔ اس وقت سے اب تک میری کوشش بھی یہی ہوتی ہے کہ دیگر ہر طرح کی مصروفیات ترک کر کے یہاں بیٹھوں اور دین کی خدمت کروں۔ شرعی اور اخلاقی حقوق کی ادائیگی کے لئے اگر کہیں جانا پڑے تو جلد واپس آنے کی کوشش کرتا ہوں۔

❦ دلیلی راہ: آپ اپنے بچپن اور تعلیمی زندگی کے بارے میں کچھ تفصیلات بتانا پسند فرمائیں گے؟



❦ صاحب زادہ صاحب: میری پیدائش ۱۹۵۱ء میں میانوالی میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم سے میٹرک تک تعلیم یہاں پر ہی حاصل کی۔ میٹرک کا امتحان گورنمنٹ ایم۔ سی۔ ہائی سکول میانوالی سے پاس کیا۔ سکول کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ابتدائی دینی کتب جو کہ فارسی میں تھیں وہ والد گرامی سے پڑھیں۔ ۱۹۶۵ء میں مزید تعلیم کے لئے جامعہ مظفریہ رضویہ واں پھراں منتقل ہو گیا جو کہ علاقہ بھر میں بڑی اور مثالی درس گاہ تھی۔ وہاں مولانا ابوالفتح محمد اللہ بخش مرحوم ایک نامور اور جدید عالم دین تھے۔ یہاں پر میں آٹھ سال تک زیر تعلیم رہا اور اس دوران باقی ماندہ کتب کی تکمیل کی۔ دورہ تفسیر استاد اکل علامہ عطاء محمد بندیا لوی سے پڑھا۔ بعد ازاں فیصل آباد جامعہ رضویہ میں داخلہ لیا اور دورہ حدیث شیخ الحدیث علامہ غلام رسول رضوی سے پڑھا۔ ۱۹۷۵ء میں دورہ حدیث تکمیل کو پہنچا۔ گھر کا ماحول دینی اور روحانی تھا۔ آباؤ اجداد کی زندگیوں پر مذہب کی گہری چھاپ تھی۔ دادا جان مرحوم اور والد گرامی سلسلہ چشتیہ سے منسلک تھے اور صاحب اجازت بھی تھے۔ ساری زندگی مخلوق خدا کی تعلیم و تربیت کے لئے کوشاں رہے۔ درگاہ اکبر یہ علاقہ بھر میں ایک مرکز روحانی تصور ہوتی تھی اور اب بھی اس کی شہرت دیکھی ہی ہے۔

❦ دلیلی راہ: سنتے چلے آ رہے ہیں کہ تمیں چالیس سال قبل دینی مدارس کی حالت بہت اتر تھی۔ مدرسوں میں کھانے کا کوئی معقول انتظام نہیں ہوتا تھا اور طلبہ صبح و شام محض اور کاؤں کے گھر انوں سے کھانا مانگ کر لایا کرتے تھے۔ کیا واقعی ماضی میں مدارس کے حالات ایسے ہی دیگر گروں ہوتے تھے؟

❦ صاحب زادہ صاحب: ہم نے بھی ایسی باتیں سن رکھی ہیں لیکن کم از کم مجھے ایسے حالات پیش نہیں آئے۔ جس ماحول میں میری پرورش ہوئی تھی اگر کسی مدرسہ میں مجھے اس قسم کی مشکلات پیش آئیں تو شاید میرے لئے تعلیم جاری رکھنا بہت مشکل ہو جاتا۔ ابتدائی کتب جیسا کہ میں نے پہلے بتایا ہے کہ گھر پر ہی والد گرامی سے پڑھیں۔ واں پھراں کے جس مدرسہ میں میں نے داخلہ لیا اس کے تمام اخراجات کا کفیل رئیس واں پھراں ملک مظفر خان تھا جو کہ حضرت خواجہ فیاض الدین سیالوی کامریہ تھا اور حضرت خلیفہ کے گھر پر ہی اس نے یہ مدرسہ قائم کیا تھا۔ مدرسہ کے تمام طلبہ کے لئے روٹیاں تو ملک مظفر خان کے گھر سے بھجوائی جاتی تھیں اور ساٹن ایک باورچی مدرسہ میں ہی تیار کرتا تھا۔ مدارس کی کسمپرسی کی جو تصویر آپ نے بیان کی اور ہم بھی سنتے رہے ہیں وہ حقیقت بھی ہے۔ آپ دیکھیں کہ بندیا شریف میں ایک بہت بڑا دارالعلوم ہے۔ عظیم استاد حضرت علامہ عطاء محمد بندیا لوی وہاں پڑھاتے تھے اور آپ کے پاس طلبہ کا جنازہ بندھا رہتا تھا لیکن وہاں حالت یہ تھی کہ طلبہ کو کچی کئی دن تک خشک روٹیاں کھانی پڑتی تھیں لیکن اس دور میں حصول تعلیم کا ذوق و شوق ہر شے پر غالب رہتا تھا۔ طلبہ روکھا سوکھا کھا کر بھی ہمت نہیں ہارتے تھے اور ہمدرد مطالعہ سیکھنے کے لئے کوشاں رہتے تھے اور کسی دوسری شے سے آشفات نہیں ہوتے تھے۔

❦ دلیلی راہ: آپ نے جن اساتذہ سے استفادہ کیا ان کے رویے اور سلوک کے بارے میں کیا کہنا چاہیں گے؟

❦ صاحب زادہ صاحب: سچی بات یہ ہے کہ میں مولانا ابوالفتح محمد اللہ بخش مہتمم جامعہ مظفریہ رضویہ واں پھراں سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ آپ محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ بہت بڑے عالم دین اور ایک باعمل صوفی تھے۔ اہل سنت کے بڑے مناظر میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ آپ سانس کے مرض میں مبتلا تھے لیکن تن تھما نہ تو فخرنا نماز ظہر مسلسل تمام اسباق پڑھاتے تھے۔ منتہی طلبہ کی

تعداد پچاس بچپن ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سخاوت کے جوہر سے مزین فرما رکھا تھا۔ اپنی ضروریات کی پروا نہیں کرتے تھے جو کچھ میسر ہوتا طلبہ پر خرچ کر دیتے۔ جب آپ کا انتقال ہوا تو آپ ڈیڑھ لاکھ کے مقروض تھے اس لئے کہ مدرسہ کی بعض ضروریات پوری کرنے کے لئے آپ ادھار رقم لے لیتے لیکن طلبہ پر کوئی مشکل نہ آنے دیتے تھے۔ تمام طلبہ کے ساتھ شفقت اور محبت سے پیش آتے تھے۔ میں ذاتی طور پر سب سے زیادہ انہی سے متاثر ہوا۔ حضرت علامہ عطاء محمد بندایالوی سے پڑھتا رہا ہوں، پھر شیخ الحدیث علامہ غلام رسول رضوی سے دورہ حدیث پڑھا۔ تمام اساتذہ کو عظیم پایا۔۔۔ لیکن میرا قلبی تعلق ابوالفتح مولانا محمد اللہ بخش سے رہا اور ان کی شفقتوں کو میں بھلا نہیں سکتا۔ علاوہ ازیں اساتذہ تمام کے تمام محنت اور اخلاص کے ساتھ طلبہ کو پڑھانے والے پائے۔ یہ اساتذہ کی شفقتیں ہی تھیں کہ مجھ جیسے نکلے کو بھی علماء میں شمار کیا جا رہا ہے۔

❁ دلیل راہ: مولانا ابوالفتح محمد اللہ بخش کے دیگر ایسے کون سے تلامذہ ہیں جن کو آپ قابل ذکر جانتے ہیں؟

❁ صاحب زادہ صاحب: مولانا مفتی محمد ابراہیم شیخ الحدیث جامعہ غوثیہ سکھر، مولانا



غلام محمد سیالوی باظہم امتحانات تنظیم المدارس پاکستان، علامہ محمد فاضل جامعہ حامد یہ رضویہ کراچی، علامہ غلام نبی جامعہ حامد یہ نیو کراچی، مفتی محمد ابراہیم سیالوی مہتمم جامعہ مظفریہ رضویہ واں بھجر اور علامہ محمد فضل رسول سرگودھا، مولانا قاضی منظور احمد سرگودھا، ان میں سے چند ایک ہیں۔

❁ دلیل راہ: اپنے اسلاف کی تاریخ پڑھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ خانقاہی نظام نے اُسٹ محمدیہ کو بڑی بڑی جلیل القدر شخصیات عطا کیں جنہوں نے تاریخ کے اوراق پر اپنے علمی اور تبلیغی کارناموں کے انٹ نقوش چھوڑے ہیں لیکن آج اس نظام میں کیا خرابیاں در آئیں کہ مخالفین اس پر انگلیاں اٹھا رہے ہیں بلکہ بعض نے تو تصوف کو اسلام کے متوازی مذہب قرار دیا ہے؟

❁ صاحب زادہ صاحب: میرا تجزیہ یہ ہے کہ جب سے خانقاہ نشیں علمی اور عملی لحاظ سے بانجھ ہوئے ہیں، مذہب کے نام پر فتنہ و فساد زیادہ ہو گیا ہے، ورنہ خانقاہوں سے اٹھنے والی قیادت نے ہمیشہ قوم کی بہتر اور کامیاب رہنمائی کا حق ادا کیا ہے۔ آپ دور نہ جائیں ماضی قریب میں جھانکیں کہ پاکستان جیسی عظیم مملکت کا حصول ان خانقاہوں کے فیض کا ہی نتیجہ ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ قیام پاکستان کی تحریک ان خانقاہوں سے ہی اٹھی، ان ہی کی جدوجہد سے کامیابی سے ہسکتا رہی۔ پیر سید جماعت علی شاہ پوری، پیر عبداللطیف آف زکوڑی شریف، خواجہ قمر الدین سیالوی، غزالی زمان علامہ سید احمد سعید کاشمی، علامہ عبدالحمید بدایونی، شیخ القرآن علامہ عبدالغفور بزاروی، اور شاہ عبدالعلیم صدیقی کا تعلق خانقاہوں سے ہی تھا۔ آج مشائخ میں بے عملی اور دنیا کی محبت غالب آگئی ہے۔ میرے دادا محترم نے زندگی میں اپنا ذاتی گھر تک نہیں بنایا، کوئی اور جاگہ انہیں بنائی۔ جب انتقال ہوا تو غائبے کے بچے سے بیالیس روپے ملے جو اس لئے بچائے گئے کہ آخری وقت غنودگی میں رہے اور اس رقم کو خیرات نہ کر سکے۔ جاہ طلبی، علم کی کمی اور بے عملی ہی بنیادی وجوہات ہیں جن سے خانقاہی نظام کو نقصان پہنچا اور وہ اپنی افادیت کھو بیٹھا۔

❁ دلیل راہ: دینی مدارس میں جو نصاب مروج ہے کیا آپ اس سے مطمئن ہیں اور کیا یہ موجودہ دور کے تقاضوں کے عین مطابق ہے؟

❁ صاحب زادہ صاحب: میں یہ سمجھتا ہوں کہ تنظیم المدارس نے انگریزی، ریاضی وغیرہ کے نام پر جو چند ایک ادھورے مضامین داخل نصاب کر رکھے ہیں ان کا کوئی فائدہ نہیں۔ ضرورت ہے کہ اس سے آگے بڑھا جائے اور سکول کالج کی مکمل تعلیم داخل نصاب کی جائے۔ ہم نے اپنے تجربات کی روشنی میں یہ انتظام کیا ہے کہ ہمارے تمام طلبہ ظہر کے بعد سے عصر تک گرمیوں میں تین اور سردیوں میں دو گھنٹے کی کلاسز اٹینڈ کرتے ہیں اور اس دوران انہیں گورنمنٹ تعلیمی بورڈ کے مطابق پڑھا یا جاتا ہے اور انہیں سکول کالج کے مضامین کی مکمل تیاری کروائی جاتی ہے، اس مقصد کے لئے ہم نے علیحدہ اساتذہ کی تقرری کر رکھی ہے۔ تنظیم المدارس کو چاہئے کہ موجودہ حالات کے تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر نصاب پر نظر ثانی کرے اور مناسب اور مفید تبدیلیاں لائے۔

❁ دلیل راہ: میڈیا میں دینی مدارس کے حوالے سے جو معلومات اکثر چھپتی رہتی ہیں۔ ان رپورٹوں کے مطابق وفاق المدارس سے منسلک

اداروں کی تعداد زیادہ جبکہ تنظیم المدارس کے ساتھ کم ہے۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ یہ تعداد مصدقہ ہے اور کراریا ہی ہے تو تنظیم المدارس کے اداروں کی تعداد اتنی کم کیوں ہے؟

صاحب زادہ صاحب: پہلی بات تو یہ کہ ضروری نہیں میڈیا میں چھپنے والی تعداد صحیح ہو اور اگر اس کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ سرحد اور بلوچستان میں تقریباً سارے مدارس دیوبندی مکتبہ فکر کے ہی ہیں۔ ہمارے چند ایک ادارے ہیں اور اگر آپ پنجاب اور سندھ کے اعداد و شمار اکٹھے کریں تو یہاں ہمارے ادارے زیادہ ہیں۔ سرحد اور بلوچستان میں عوام اہل سنت تو اکثریت میں ہیں لیکن مساجد کے خطباء اور مدارس زیادہ تر اسی مکتبہ فکر سے متعلق ہیں۔ ہمارے بزرگوں نے ان علاقوں کی طرف کوئی خاطر خواہ توجہ نہیں دی۔

دلیل راہ: تنظیم المدارس کے نظام امتحانات کے متعلق شکوک و شبہات کا اظہار کیا جاتا ہے اور یہ خدشات بھی ظاہر کئے جاتے ہیں کہ نتائج پر پسند و ناپسند اثر انداز ہوتی ہے بلکہ ایک امتحانی سٹر میں ہم نے خود یہ دیکھا کہ نگران علماء ہی طلبہ کو نقل کیلئے مواد فراہم کر رہے تھے۔ آپ کیا سمجھتے ہیں ایسی اصلاحات کی ضرورت ہے کہ نظام امتحانات کو مزید صاف و شفاف بنایا جاسکے؟

صاحب زادہ صاحب: یہ سوال آپ نہ ہی پوچھتے تو بہتر تھا۔ اس بات سے قطع نظر کہ مجھے کوئی شکایت ہے یا نہیں لیکن موجودہ نظام امتحانات سے میں مطمئن ہرگز نہیں ہوں۔ جو امتحانی سوالات بنانے والے ہیں وہی

ممتحن ہیں اور جو امتحانی مراکز کے نگران ہوتے ہیں انہی کے طلبہ ان مراکز میں پرچے حل کر رہے ہوتے ہیں تو پھر سوالنامے آؤٹ ہوں گے اور نقل بھی کروائی جائے گی۔ نظام صاف و شفاف کیسے رہ سکتا ہے۔ باقی رہا یہ معاملہ کہ علماء خود طلبہ کو امتحانی مراکز میں نقل کے لئے مواد فراہم کرتے ہیں تو معذرت کے ساتھ کہوں گا کہ بڑے بڑے شیوخ الحدیث تک یہ سب کچھ کرتے کر داتے ہیں۔ امتحان دینے والے طلبہ کے ساتھ زیادتی تو ہے ہی لیکن بہت بڑی دینی خیانت بھی ہے جس کے لئے انہیں اللہ کے سامنے جوابدہ ہونا ہے۔ میری تجویز یہ ہے کہ مدارس کا نظام امتحانات بھی حکومت کے زیر کنٹرول ہونا چاہیے۔ امتحانی مراکز میں امتحانات نگران عملہ مدارس سے غیر متعلق ہونا چاہیے۔

دلیل راہ: کیا آپ نے کبھی ملکی سیاست میں حصہ لیا یا کبھی سیاسی انکیشن لڑا ہے؟

صاحب زادہ صاحب: ملکی سیاست میں گزشتہ چالیس پچاس سال سے داخل ہوں البتہ امتحانی سیاست نہیں کی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی ہمارے اسی علاقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے زندگی کی پہلی تقریر میری اسی مسجد میں میرے دادا جان کے دور میں کی تھی۔ طالب علمی کے دور سے مجاہد ملت کے ساتھ ہمیشہ ایک سپاہی کی طرح سرگرم عمل رہا ہوں۔ تحریکوں میں حصہ لیا، چیلیں بھی کائیں۔ ضلع میانوالی میں ہمارا ایک خاص سیاسی قہ کا ٹھہ اور اثر و رسوخ ہے۔ انتخابی سیاست میں حصہ لینے کی ایک وجہ فیوڈل ازم کی اجارہ داری بھی ہے۔ پنجاب کے کئی دیگر علاقوں کی طرح یہاں بھی جاگیر داری اور خاندانی سیاست کی اجارہ داری ہے، البتہ اب صحت اور حالات کی وجہ سے بلکہ یوں سمجھیں کہ قبلہ نیازی صاحب کے انتقال کے بعد عملی سیاست سے ریٹائر ہو گیا ہوں۔ اب پوری توجہ اپنے اداروں کی تعمیر و ترقی کی طرف ہے۔ یہ جگہ بہت مصروف ترین علاقہ میں واقع ہے۔ جگہ بھی کم ہے لہذا اس کھال زمین کا کلزا خیرا ہے جہاں نیو کیپس زیر تعمیر ہے۔ طالبات کا شعبہ وہاں الگ کر رہا ہوں جسے بعد ازاں اکبریہ کالج برائے طالبات اور دوسرے مرحلہ میں اکبریہ کالج برائے طلبہ قائم کیا جائیگا۔ مسجد بھی زیر تعمیر ہے۔ میری خواہش ہے کہ ایسا انتظام ہو جائے جہاں طلبہ و طالبات دینی اور دنیوی دونوں طرح کی تعلیم حاصل کر سکیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی بیان کیا ہے کہ اس پروجیکٹ کا آغاز ایک سال قبل قبلہ علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب کی دعا سے ہو چکا ہے۔

دلیل راہ: آپ نے دوران گفتگو ہماری تاریخ کی ایک عظیم شخصیت مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی کا ذکر کیا ہے اور پھر یہ بھی کہ آپ نے مجاہد ملت کے ساتھ ایک سپاہی کی حیثیت سے کام کیا ہے۔ اگر آپ اُن کی زندگی اور ان کی جدوجہد کے حوالے سے کچھ معلومات قارئین کیلئے راہ کی نظر کریں تو یقیناً یہ ہماری تاریخ کی بہترین خدمت ہوگی؟



☆ صاحب زادہ صاحب: مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی یقیناً تاریخ ساز شخصیت تھے۔ نیازی صاحب ایک غریب خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ تحصیل عسلی خیل کے ایک کاؤں کھٹکا نوالہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے خاندان میں وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے تعلیم حاصل کی مگر ان کے خاندان میں کوئی قابل ذکر پڑھا لکھا شخص نہیں تھا۔ آپ نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ تعلیم کے اخراجات خواہیں عسلی خیل نے برداشت کیئے۔ میٹرک کے بعد آپ لاہور تشریف لے گئے۔ اسلامیہ کالج لاہور سے باقی تعلیم مکمل کی۔ ایم۔ اے اسلامیات اور ایم۔ اے عربی کیا اور ایل۔ ایل۔ بی بھی کیا۔ تعلیم کے بعد وہیں اسلامیہ کالج لاہور میں ہی پڑھانا شروع کر دیا۔ مجاہد ملت کی سیاسی جدوجہد تقریباً ساٹھ سال کے عرصہ پر محیط ہے۔ مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن، مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے سیاسی جدوجہد کا آغاز کیا۔ تحریک پاکستان کے سرگرم ترین رہنما رہے۔ قیام پاکستان کے بعد ہر آمر سے ٹکرائی، اور ہر سیاسی و مذہبی تحریک کی صف اول میں موجود رہے ہیں۔ تحریک ختم نبوت، تحریک نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے لئے جیلیں کاٹیں۔ مجاہد ملت کا سب سے بڑا معرکہ کالا باغ کے نوابوں کے ظلم و ستم کے خلاف نعرہ بغاوت تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص میں ایک بہت بڑی خوبی یہ رکھی تھی کہ وہ ظالم کو پوری قوت سے لاکارنے والا شخص تھا۔ کالا باغ کے نوابوں نے سارے علاقہ کو اپنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا۔ بغوچی حمزہ نے نوابوں کے خلاف جب جدوجہد شروع ہوئی تو مولانا عبدالستار خان نیازی اس کے روح رواں تھے۔ گولیاں کھائیں، جیل کی صعوبتیں برداشت کیں لیکن پائے استقلال میں انحراف نہ آئی اور بالآخر کامیابی نے ان کے قدم چومے۔ مجاہد ملت نے اپنی زندگی کی پہلی تقریر ہماری اس جامع مسجد اکبر یہ میانوالی میں کی تھی اور زندگی کا آخری خطاب بھی اسی مسجد میں ۲۰۰۰ء میں کیا۔ نیازی صاحب کے انتقال کے بعد بھی ان کے اثرات اس علاقہ میں اسی طرح ہیں۔ آج بھی مظلوم طبقہ مولانا عبدالستار خان نیازی کے نظریہ اور فکر کا امین ہے۔ آج بھی اگر اہل سنت کے سارے گروہ آپ اکٹھے ہو جائیں تو مولانا نیازی کی فکر کے امین ضلع میانوالی سے کسی دوسرے سیاستدان کو ایک سیٹ بھی نہ جیتے دیں۔ ستم یہ ہے کہ جن کے پاس نظریہ ہے ان کے پاس وسائل نہیں ہیں اور جن کے پاس وسائل ہیں وہ نظریاتی لوگ نہیں ہیں۔

☆ دلیل راہ: سیاسی حوالے سے یقیناً آپ کی ہمدردیاں جمعیت علماء پاکستان سے ہیں اور آپ جمعیت کی ساری تاریخ سے بھی بخوبی آگاہی رکھتے ہوئے تھے۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ۱۹۷۹ء میں یا ۱۹۷۵ء کے انتخابات کے بعد جمعیت کی صدارت خواجہ قمر الدین سیالوی سے غیر مناسب طریقہ سے چھینی گئی۔ اس میں کس حد تک صداقت ہے؟

☆ صاحب زادہ صاحب: مختلف ادوار میں جمعیت کی قیادت مختلف بزرگوں کے پاس رہی ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ قیادت ذہنی و فنی حسیں والی بات حقیقت پہنی نہیں ہے۔ ۱۹۷۵ء کے انتخابات کے نتائج کی روشنی میں دیکھیں تو نقشہ یہ نظر آتا ہے کہ جمعیت نے زیادہ پراگمٹس کراچی، حیدرآباد اور سکھر کے اضلاع میں حاصل کی تھی۔ باقی پنجاب میں ایک دو نشستیں ہی حاصل ہوئی تھیں۔ ایسے حالات میں سندھ سے تعلق رکھنے والے حضرات کو جمعیت میں غلبہ حاصل ہوا اور قیادت کی تبدیلی بھی اسی خاطر میں عمل میں آئی۔ کسی حد تک پنجابی اور مہاجر کا عنصر بھی دخل تھا جس سے خواجہ صاحب کبیدہ خاطر ہوئے لیکن خواجہ قمر الدین سیالوی صاحب کی صحت بھی ٹھیک نہیں تھی۔ آپ گروہ کی تکلیف میں مبتلا رہتے تھے اور سفر کی صعوبتیں برداشت نہیں کر سکتے تھے جب کہ جمعیت کی قیادت کے لئے کسی ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جو ملک کے طول و عرض میں بھاگ دوڑ کر سکے۔ خواجہ صاحب کے مغربین نے آپ کو قیادت سے علیحدہ ہونے کی تجویز پیش کی جسے انہوں نے قبول کر لیا اور یوں آپ کنارہ کش ہو گئے۔ باقی معمولی اختلافات تو ہر تنظیم میں ہوتے رہتے ہیں۔

☆ دلیل راہ: آپ چونکہ جمعیت کے ساتھ بہت عرصہ تک منسلک رہے ہیں مجاہد ملت کے ساتھ آپ کی رفاقت بھی طویل عرصہ پر محیط ہے لہذا ہم یہ جاننا چاہیں گے کہ جمعیت جب دو دھڑوں (نورانی و نیازی) میں بنی تو اس کی اصل وجوہات کیا تھیں؟

☆ صاحب زادہ صاحب: بنیادی طور جمعیت کی انھماں سندھ کے شہری علاقوں مثلاً کراچی، حیدرآباد اور سکھر وغیرہ سے ہوئی تھی۔ ۱۹۸۸ء اور اس کے بعد کا دور آپ دیکھیں کہ مرکز میں پیپلز پارٹی کی حکومت تھی۔ سندھ میں ایم۔ کیو۔ ایم اور بے سندھ وغیرہ پروان چڑھ رہی تھیں۔ ایسے حالات میں مولانا شاہ احمد نورانی کو سندھ میں جمعیت کی بقاء کے لئے پیپلز پارٹی کی قربت درکار تھی۔ چنانچہ انہوں نے مرکز میں پی پی پی کی پالیسیوں کی حمایت کا ذہن بنایا جبکہ مولانا عبدالستار خان نیازی ذہناً مسلم لیگ کے حلیف تھے۔ ان کی سیاست کی ابتدا ہی مسلم لیگ سے ہوئی تھی لہذا پی پی پی سے ان کی کسی صورت بھی نہیں بن سکتی تھی۔ جب قبلہ نورانی صاحب نے پی پی پی کے لئے نرم گوشہ رکھنا شروع کیا تو نیازی صاحب نے اختلاف کا اظہار کیا۔ لاہور میں علامہ الوری صاحب کے انتخابات دی۔ دہلوں بزرگوں کے درمیان اختلافات وسیع ہوئے اور ان کے ذہنی تقاد کے نتیجہ میں بدقسمتی سے جمعیت دو دھڑوں میں منقسم ہو گئی۔

❖ دلیل راہ: جماعت اہل سنت پاکستان کے ساتھ آپ کی وابستگی کب سے ہے؟

✽ صاحب زادہ صاحب: جماعت اہل سنت سے تعلیمی وابستگی ۱۹۷۲ء کی ملتان سنی کانفرنس کے وقت ہوئی۔ میں اپنے استاد و محترم مولانا محمد اللہ بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں ملتان کے کنونشن میں شریک ہوا تھا۔ میانوالی میں اس وقت جو تنظیم بنی اس میں خواجہ زین الدین مصلح دوی امیر، میرے والد گرامی نائب امیر، فتح محمد صدیق آف بھور شریف مرکز میں نائب امیر تھے۔ میرے ذمہ ضلع میانوالی کا شعبہ نشر و اشاعت تھا۔ میانوالی کی سطح پر اس وقت جماعت اہل سنت کا مستحکم وجود تھا اور الحمد للہ اب بھی ہے۔ بعد ازاں مرکزی شوریٰ کا ممبر رہا ہوں۔ گزشتہ دور میں مرکزی نائب امیر بھی رہا ہوں جبکہ مرکزی شوریٰ کا اب بھی رکن ہوں۔ جماعت اہل سنت کے کئی حصے خرے ہوئے لیکن میانوالی میں ہم نے کوئی دھڑا وجود میں نہیں آنے دیا۔ علامہ سید احمد سعید کلمی کے دور میں اور آج علامہ سید ریاض حسین شاہ کے دور میں بھی ہم سب گنبد خضریٰ کے سائے والے چنڈے تلے متحد و منظم ہیں۔ تمام علما و مشائخ ایک ہی اسٹیج پر مجتمع ہیں اور مسلکی لحاظ سے میانوالی اہل سنت کا گڑھ ہے۔

❖ دلیل راہ: آپ طویل عرصہ سے جماعت اہل سنت پاکستان سے وابستہ ہیں۔ ہم آپ سے یہ جاننا چاہیں گے کہ جماعت اہل سنت پاکستان کو اپنے مقاصد میں کس حد تک کامیابی حاصل ہوئی ہے؟

✽ صاحب زادہ صاحب: میں سمجھتا ہوں کہ جماعت اہل سنت پاکستان کے پیر دو بڑی اور اہم ذمہ داریاں تھیں اور ہیں۔ ایک عقیدہ اہل سنت کا تحفظ اور دوسری مقاصد اہل سنت یعنی حقوق اہل سنت کا تحفظ۔ عقیدہ کے تحفظ میں جماعت اہل سنت کامیاب رہی ہے۔ نشر و اشاعت، تقاریر، جلسے و جلوس اور بڑے بڑے اجتماعات یعنی سنی کانفرنسیں ماضی کی نسبت بہت منظم اور پروہنی نظر آتی ہیں، البتہ سرکاری سطح پر اہل سنت کے حقوق کے تحفظ میں ہم کامیاب نہیں ہوئے ہیں جس کی سب سے بڑی وجہ ہماری سیاسی میدان میں کمزوری ہے۔ سیاسی لحاظ سے ہم روز بروز کمزور ہی نہیں ہو رہے بلکہ ہمارا وجود مٹتا چلا جا رہا ہے۔



میرا پختہ ایمان ہے کہ جب تک جماعت اہل سنت سیاسی قوت حاصل نہیں کرتی اس وقت تک ہم اپنے نظریات کا تحفظ کم از کم سرکاری سطح پر نہیں کر سکتے اس لئے میں تجویز کرتا ہوں جماعت اہل سنت اپنا ایک سیاسی ونگ تشکیل دے۔ آج ہمارے نصاب تعلیم میں ان لوگوں کے تذکرے تو موجود ہیں جنہوں نے قیام پاکستان کی مخالفت کی تھی لیکن جن لوگوں نے پاکستان بنانے میں قائد اعظم کا ساتھ دیا ان کا نام و نشان تاریخ کی کتابوں میں نہیں ملتا۔ اسی طرح فوج، دیگر سرکاری ادارے، محکمہ تعلیم میں ان لوگوں کو تسلط حاصل ہے جو تاریخی لحاظ سے قیام پاکستان کے مخالف اور مخصوص مذہبی نظریات کے حامل ہیں، حالانکہ ان تمام لوگوں کے آباؤ اجداد نے تحریک پاکستان کی کھل مخالفت کی تھی۔ اسلامی جمہوری اتحاد میں ساری سیاسی اور مذہبی جماعتیں اکٹھی تھیں۔ ایک اجلاس میں مولانا نیازی صاحب اور مفتی محمود کے درمیان اس بات پر جھگڑا ہو گیا جب مفتی محمود نے یہ کہا کہ شکر ہے ہم پاکستان بنانے کے جرم میں شریک نہیں تھے۔ مولانا نیازی جاہل میں آئے اور فرمایا۔ تمہاری حیثیت ہی کیا تھی۔ تم ہماری سیاسی خیل کی ایک مسجد میں سات روپے ماہانہ کے امام تھے۔ پاکستان کے صدقے مون میلا کر رہے ہو، ورنہ تمہارے مقدر میں چٹائی بی ہوتی۔ پاکستان کا کھاتے ہو اور اس ملک کے ناشکرے بھی ہو۔

❖ دلیل راہ: آپ نے تجویز دی ہے کہ جماعت اہل سنت پاکستان اپنا سیاسی ونگ قائم کرے۔ کیا پہلے سے موجود سیاسی تنظیموں کو قوت دینے سے مسئلہ حل نہیں ہو سکتا؟

جنگ صاحب زادہ صاحب: پہلے سے موجود سیاسی جماعتوں کی حالت کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اگر وہ کچھ کرنے کے قابل ہوتیں تو حالات اسنے دیگر گروں نہ ہوتے۔ سیاسی کام نہ ہونے کی وجہ سے ملکی سیاسی منظر سے ہمارا نام تک محو ہو چکا ہے۔ جماعت اہل سنت ادھر ادھر کی گئی چھوڑے، بلاتاخیر اپنا سیاسی ونگ تشکیل دے اور جماعت اہل سنت کی تنظیموں کو اپنے اپنے علاقوں میں سیاسی ذہن کے حامل افراد کو سیاسی ونگ میں شامل کریں۔ آئندہ انتخابات میں بھرپور طریقہ سے حصہ لیں۔ اپنے نظریاتی امیدوار نہ ہونے کی وجہ سے ہم دیگر سیاسی جماعتوں کے لوگوں کی حمایت کرتے ہیں۔ وہ کامیاب بھی ہو جاتے ہیں مگر اسمبلی میں جا کر ہمیں بھول جاتے ہیں۔ انہوں نے ہمارے نظریات کا تحفظ نہیں کرنا ہے۔ غناجب اسمبلی کے واقعہ سے ہمیں سبق حاصل کرنا چاہیے کہ وہاں ایک رکن اسمبلی نے اجلاس کی کارروائی شروع ہونے کے موقع پر تلاوت کے بعد نفعت شریف پڑھانے کی تحریک پیش کی۔ پوری اسمبلی فلوہ پر صرف مسلم لیگ کے ایک رکن علی حیدر نور نے اس کی حمایت میں تقریر کی۔ مخالفین مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے دسیوں ارکان نے اس تحریک کی مخالفت کی۔ کہیں بھی ہمارے حقوق کا تحفظ نہیں ہو رہا ہے اور سیاسی قوت کے بغیر ہوگا بھی نہیں۔

❖ دلیل راہ: تحریک پاکستان کے دوران ہمارے بزرگوں نے مسلم لیگ میں شامل ہو کر سیاسی میدان میں کام کیا۔ اس میں کیا مضائقہ ہے کہ علماء و مشائخ اجتماعی طور پر مسلم لیگ میں شامل ہوں اور ایک موثر گروپ کے طور پر اپنے حقوق محفوظ بنانے کے لئے مسلم لیگ کی حیثیت اور پلیٹ فارم سے فائدہ اٹھائیں؟

❖ صاحب زادہ صاحب: اس میں کوئی شک نہیں کہ تحریک پاکستان کے دوران ہمارے بزرگوں نے مسلم لیگ میں رو کر سیاسی میدان میں کام کیا تھا لیکن اب حالات مختلف ہیں۔ موجودہ حالات میں مسلم لیگ میں شامل ہونا اور یہ تصور کر لینا کہ اس طرح ہم اپنے حقوق کا تحفظ کر سکیں گے محض خوش فہمی ہی کہا جاسکتا ہے۔ مسلم لیگ تو مختلف الذہن لوگوں کا مجموعہ ہے جسے اس میں قادیانی بھی موجود ہیں۔ اہل سنت کے عقیدہ کی ترجمانی اور تحفظ صرف اسی صورت ممکن ہے کہ اپنا مخصوص پلیٹ فارم ہو۔ جماعت اہل سنت پاکستان اگر سیاسی ونگ نہیں بناسکتی تو کئی تحریک کے ساتھ سیاسی لحاظ سے تعاون کیا جائے۔ اس میں بھی تحفظات ہیں کہ کئی تحریک کی قیادت ناپختہ اذان کے ہاتھوں میں ہے لیکن اگر وہ جماعت اہل سنت کی سرپرستی میں آجائیں اور جماعت اہل سنت کی قیادت کی رہنمائی میں سیاسی میدان میں کام کریں تو یقیناً اچھے نتائج کی توقع کی جاسکتی ہے۔ بصورت دیگر جماعت اہل سنت سیاسی ونگ قائم کرے انتخابی سیاست کے لئے ایک فہم بھی قائم کرے جس سے انتخابات میں اپنے امیدواروں کی مالی مدد کی جائے۔ جماعت اہل سنت کے اپنے پلیٹ فارم سے جو لوگ کامیاب ہو کر اسمبلیوں میں پہنچیں گے وہی اہل سنت کے حقوق کا تحفظ کر سکیں گے۔

❖ دلیل راہ: نئی نسل مشائخ طریقت اور تصوف سے بدگم رہی ہے۔ آپ کے نزدیک اس کی وجوہات کیا ہو سکتی ہیں؟

❖ صاحب زادہ صاحب: علم اور تصوف یا علم اور معرفت ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ جب سے تصوف جاہل صوفیاء کے ہاتھوں چڑھا ان کی بدعات کو دیکھ کر پڑھا لکھا طبقہ ان سے متغیر نظر آتا ہے۔ ہمارے اکثر علماء کرام خانقاہوں سے دور ہیں علماء کو چاہیے کہ خانقاہوں سے تعلق کو مضبوط بنائیں۔ جہاں آج بھی صوفی صاحب علم ہے وہاں تصوف اور اہل تصوف سے محبت کرنے والوں کی کمی ہرگز نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ خانقاہ، تصوف اور علماء کی آپس میں قربت بڑھے۔ جماعت اہل سنت کو چاہیے کہ وہ اپنے تمام پرہیزگاروں میں ذکر و فکر کی محافل کو شامل کریں۔ ایسے ایام اور راتیں جو صوفیاء کے مشن کو آگے بڑھائیں ان کو عام کرنے کے لئے مختلف سطحوں پر پروگرام منعقد کیے جائیں۔

❖ دلیل راہ: موجودہ دور میں مشائخ طریقت اور ان کے حلقوں میں ایک قباحیت یہ بھی داخل ہو گئی ہے کہ مختلف سلاسل طریقت کے درمیان تعصب بڑھتا جا رہا ہے۔ ایک سلسلہ کے بزرگ دوسرے سلسلہ کے کسی بزرگ کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور ان کے مریدین ایک دوسرے کے متحارب گروہ نظر آتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟

❖ صاحب زادہ صاحب: صوفیاء کرام کے سلاسل میں سے کوئی ایک دوسرے کے متحارب و مخالف نہیں ہے۔ طریقے جدا جدا ہیں لیکن منزل تو ایک ہی ہے یعنی اللہ کی رضا کا حصول۔ جاہل صوفی اور بے علم مریدین جو صرف ٹوپوں، گجڑیوں اور رنگوں کی بنیاد پر منقسم نظر آتے ہیں وہی فتنہ و فساد اور افتراق کا باعث ہیں۔ آپ دیکھیں فقہی مسالک بھی تو پائے جاتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم میں اختلافات نہیں تھے لیکن وہ ایک دوسرے کے متحارب تو نہیں تھے۔

❖ دلیل راہ: آپ عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ سلسلہ عالیہ چشتیہ کے ایک شاخ طریقت بھی ہیں۔ آپ کے ہاں عقیدت مندوں کی تعلیم و تربیت کا کیا اہتمام ہے؟

☆ صاحب زادہ صاحب: والد گرامی نے مجھے سلسلہ شہید میں خلافت کے لئے ماحر دفرمایا تھا۔ ان کی تعلیم اور تربیت کے مطابق کام ہوتا ہے۔ جو طلبہ رکھتا ہو بزرگوں کے طریقہ کے مطابق اسے تعلیم کرتا ہوں۔ الحمد للہ! اس کو پیش نہیں بنایا بلکہ دین کی خدمت سمجھ کر کر رہا ہوں۔ ختم خواجگانِ چشت باقاعدگی سے ہوتا ہے۔ ماہانہ محفل گیارہویں شریف کا انعقاد بھی کیا جاتا ہے۔

☆ دلیل راہ: کیا آپ کی اپنی اولاد میں سے دینی تعلیم کی طرف کسی کا میلان ہے؟

☆ صاحب زادہ صاحب: اللہ کے کرم سے میرے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ بڑے بیٹے نے بحیرہ شریف سے درسیات کی کتب پڑھی ہیں۔ اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد سے شریعہ اینڈ لاء ماسٹر کیا ہے۔ اب ایجوکیشن کمیشن کی کالرشپ پر یو۔ کے میں پئی۔ ایچ ڈی کر رہا ہے۔ دوسرا بیٹا آری میں کیپٹن ہے جبکہ تیسرا بیٹا انجینیئر۔ ایس۔ سی میں پڑھ رہا ہے۔

☆ دلیل راہ: آپ کے خاندان کے دیگر اہباب جو خدمتِ دین میں مصروف ہوں؟

☆ صاحب زادہ صاحب: والد گرامی اور چچا دو بھائی تھے۔ اللہ کی طرف سے یہ تقسیم ہوئی کہ والد گرامی جید عالم دین بنے نہایت سادہ صوفی منش انسان تھے اور میرے چچا جان سرکاری ملازمت سے بطور متمم خزانہ ریٹائر ہوئے۔ مزید یہ کہ والد گرامی نے میری تعلیم تو خالصتاً مذہبی اور خیریت درسی تعلیمی کے ماحول میں کردائی جبکہ دوسرے بھائیوں کو دینی تعلیم دلوائی اور ملازمتیں کروائیں۔ شیعہ ہی الگ ہو گئے۔ میرے دو ماموں حافظ قرآن تھے۔ یہاں اس مدرسہ میں پڑھاتے بھی رہے ہیں لیکن باوجود بزرگ ہونے کے جامعہ وغیرہ کے معاملات میں دخل نہیں دیتے تھے۔ اس کے پس پردہ یہ مطلق تھی کہ ایک صاحب ادارے کے انچارج ہوں تو منظم طریقہ سے کام چلایا جاسکتا ہے۔

☆ دلیل راہ: خوشبو یقیناً آپ پسند فرماتے ہوں گے؟

☆ صاحب زادہ صاحب: بالکل پسند ہے، لیکن کوئی تخصیص نہیں ہے جو بھی میسر ہو استعمال کر لیتا ہوں۔

☆ دلیل راہ: لباس کے معاملہ میں آپ کا پسند یہ رنگ کون سا ہے؟

☆ صاحب زادہ صاحب: اکثر سفید جو حضور ﷺ کو بھی پسند تھا لیکن دیگر رنگ بھی جائز سمجھتا ہوں۔

☆ دلیل راہ: کوئی ایسی طلب جسے آپ نے اللہ تبارک و تعالیٰ کو یاد دلائی ہو؟

☆ صاحب زادہ صاحب: تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۷۵ء میں اللہ تعالیٰ نے مجھے سعادت بخشی اور میں نے پہلا حج کیا۔ جب حضور ﷺ کے روضہ انور پر حاضری ہوئی تو وہاں میں نے سرکار ﷺ کے وسیلہ سے اللہ کی بارگاہ میں تین دعائیں مانگیں۔ پہلی یہ کہ ہمیشہ اسلام اور ایمان پر قائم رہنا غیب ہو۔ دوسری اپنے دادا جان کے روحانی اور تعلیمی مشن کو جاری رکھنے اور اسے مزید وسعت دینے کی اور تیسری کہ اللہ تعالیٰ کبھی مفکدستی میں مبتلا نہ فرمائے اور نہ ہی کبھی کسی دنیا دار کے دروازے پر لے جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے صدقے میری دعائیں قبول فرمائیں۔ اس پر ہر وقت اپنے مالک کے سامنے سرگلوں رہتا ہوں۔ آج تک باوجود ہزار خواہشوں کے میں نے کبھی کسی سیاستدان اور دنیا دار کے سامنے مالی اعانت کی درخواست نہیں پیش کی۔ کبھی کسی کی چوکھٹ پر نہیں گیا ہوں اور کسی بھی لمحے بزرگوں کے مشن سے غافل نہیں ہوا ہوں۔ والد گرامی نے مسجد کی تعمیر شروع فرمائی تھی میرے دور میں مکمل ہوئی مگر اپنے وسائل سے۔ حکومت تو بہانے ڈھونڈتی ہے کہ کوئی درخواست پیش کرے لیکن ہمیشہ دور رہے ہیں، بلکہ ایسا ہوتا ہے کہ اکثر حکومتوں کی پالیسیوں سے اختلاف ہی رہتا ہے۔

☆ دلیل راہ: آپ نے اپنی زندگی میں ہزاروں نہیں تو سینکڑوں خطبہ کو سنا ہوگا۔ کسی کی خطابت سے آپ متاثر ہوئے ہوں؟

☆ صاحب زادہ صاحب: جن حضرات کی خطابت سے میں متاثر ہوا ہوں ان میں چار شخصیات ہیں۔ ایک غزالی زمان علامہ سید احمد سعید کاظمی، دوسرے علامہ سید ریاض حسین شاہ اور تیسرے شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی، اور چوتھے علامہ محمد آصف جلالی۔ غزالی زمان میرے دادا جان کے عرس کے موقع پر دس سال تک مسلسل تشریف لاتے اور خطاب فرماتے رہے ہیں۔ یہ آپ کی جوانی کی اٹھان کا دور تھا۔ آپ کا خطاب جس طرح دلائل سے مزین ہوتا تھا اس کے بعد یہ رنگ خطابت خال خال ہی نظر آتا ہے۔ عصر حاضر کے خطباء میں پسندیدہ طرز خطابت مقلد اسلام علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب کا ہے۔ شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب کا خطاب بھی دلائل سے بھرپور ہوتا ہے اور علامہ محمد آصف جلالی کا طریقہ گفتگو بھی اہل سنت کے لئے میں سمجھتا ہوں مفید ہے۔

☆ دلیل راہ: خطابت کے لئے دوسرے شہروں میں بھی جانا ہوتا ہوگا؟

☆ صاحب زادہ صاحب: بہت کم جاتا ہوں۔ میرے دادا جان کا وصیت نامہ ہے اس کے آخر پر ایک مصرعہ تحریر ہے۔

فقیر را باند درں جاں کنند برائے طلب دنیا پرورد و از دنیادار نہ رود۔

میرے دادا جان نے ۱۹۰۶ء سے ۱۹۵۶ء تک تقریباً نصف صدی کی خدمت میں گزاری۔ والد کرامی نے ۱۹۵۶ء سے ۱۹۸۳ء تک اسی مشن میں صرف کئے۔ اس وقت سے اب تک میری کوشش بھی یہی ہوتی ہے کہ بجائے دیگر مشاغل کے چٹائی پر بیٹھ کر دین کی خدمت کی جائے تو اس سے بہت اچھے اور عمدہ نتائج مرتب ہوتے ہیں لیکن شرعی اور اخلاقی حقوق کی ادائیگی کے لئے اگر کہیں جانا پڑتا ہے تو حتیٰ المقدور جلد واپس آنے کی کوشش کرتا ہوں۔

❖ دلیل راہ: آپ تقریباً پینتیس سال سے میانوالی میں خطابت فرما رہے ہیں۔ پینتیس سال قبل اور آج میانوالی میں اہل سنت کی پوزیشن میں کیا کوئی فرق محسوس کرتے ہیں؟

❖ صاحب زادہ صاحب: میانوالی میں اہل سنت اللہ کے فضل سے اب بھی ماضی کی طرح مضبوط اور غالب ہیں۔ چند سال پہلے میں ضلع کی زکوٰۃ کمیٹی کا چیئرمین تھا۔ مساجد کا سروے کرایا گیا تو اعداد و شمار کے مطابق دیگر مسالک کی مساجد اور ادارے اہل سنت کے مقابلے میں ایک چوتھائی سے بھی کم تھے۔ کل ۱۷۲ مساجد تھیں جن میں سے ۱۱۳۳ اہل سنت کی جبکہ اتریں دیگر تمام مسالک کی تھیں۔

❖ دلیل راہ: اپنی زندگی کا کوئی حیرت انگیز یا یادگار واقعہ جسے آپ کبھی بھلا نہ سکتے؟

❖ صاحب زادہ صاحب: شیخ الاسلام خولجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق ایک واقعہ ہے جسے میں کبھی بھی نہیں بھلا سکوں گا۔ میرے دادا جان میاں غلام حسین صاحب حضرت خولجہ شمس الدین سیالوی کے مرید تھے۔ قبلہ دادا جان کے انتقال کے بعد آپ کا مزار اسی مسجد جامعہ اکبریہ کے احاطہ میں تعمیر ہوا۔ خولجہ قمر الدین سیالوی جب میانوالی شہر تشریف لاتے تو قبلہ دادا جان کے حزار پر فاتحہ خوانی ضرور فرماتے اور مسجد میں کوئی نہ کوئی نماز بھی ادا فرماتے۔ ایک مرتبہ اچانک گرمیوں کے دنوں میں طہر کے وقت تشریف لائے، خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔ اس دوران میں نے طلبہ سے کہا کہ چائے کا انتظام کرو۔ حضرت نماز سے فارغ ہوئے تو چائے پیش کریں گے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت دادا جان کے حزار پر تشریف لے گئے۔ فاتحہ اور دعا کے بعد میں نے عرض کیا حضور کمرے میں تشریف لائیں چائے تیار ہے۔ آپ اسی کمرے میں تشریف لائے جس میں ہم اس وقت بیٹھے ہیں۔ داخل ہوئے اور نظر اٹھائی اور پھر فوراً باہر چلے گئے۔ باہر دروازے پر جوتے اتارے، کپڑے درست کیئے، گنگے میں رومال ڈالا، اندر داخل ہوئے اور قبلہ زدہ ہو کر دونوں تشریف فرما ہو گئے۔ میں نے درخواست کی کہ مسند پر تشریف فرما ہوں۔ فرمایا دیکھو اوپر کنبہ خضر، کانگس دیوار پر آویزاں ہے۔ ادب لازم ہے۔ جتنی دیر ہے دونوں بیٹھے رہے۔ یہ ہے محبت رسول ﷺ اور عشق رسول ﷺ۔ ان کا یہ انداز ہمیشہ کے لئے میرے دل اور دماغ پر نقش ہو کر رہ گیا۔

❖ دلیل راہ: آپ نے فرمایا کہ آپ کے استاد محترم علامہ محمد انصاری علیہ السلام کا میاں مناظر بھی تھے۔ کیا ان کا کوئی ایسا مناظرہ آپ کے ذہن میں ہے جس میں آپ خود بھی موجود تھے؟

❖ صاحب زادہ صاحب: ہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ علاقہ قنبل کے ایک گاؤں وچویر میں علم غیب کے موضوع پر مناظرہ طے ہوا۔ مخالفین کی طرف سے مولوی محمد شفیع اتر (سرگودھا) اور مولوی فضل کریم بند یالوی (موجودہ مولوی عطاء اللہ بند یالوی) مدظلہ مقابل تھے۔ استاد محترم کے ساتھ مولانا احسان الحق فیصل آبادی تھے۔ استاد محترم وہاں پہنچ گئے تو صبح پہ چلا کہ مدظلہ مقابل دونوں علماء رات کو ہی راہ فرار اختیار کر گئے ہیں۔ یوں مناظرہ تو نہ ہوا لیکن ماحول دیکھنے کو ملا۔ اسی موقع پر آپ کے استاد محترم محمد مصطفیٰ اعظمی مولانا سمر دار احمد نے آپ کو ”ابوالفتح“ کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ وہاں پھر اس جہاں آپ کا دارالعلوم تھا مولوی حسین علی بھی وہیں کارہنہ والا تھا۔ اختلافی مسائل پر بحث و مباحثہ معمول تھا۔ نماز فجر کے بعد روزانہ آپ درس دیتے اور درس کے دوران بھی زیادہ تر دلائل مناظرانہ ہی ہوتے تھے۔

❖ دلیل راہ: موجودہ حالات میں آپ اہل سنت کے علماء کرام، مشائخ عظام اور عوام کو کیا پیغام دینا چاہیں گے؟

❖ صاحب زادہ صاحب: میں تو علامہ محمد اقبال کی زبان میں یہی کہنا چاہوں گا کہ

دلوں کو مرکبِ مہر و وفا کر  
حرمِ کبریا سے آشنا کر  
جنہیں نانِ جویں بخشی ہے تو نے  
انہیں بازوئے حیدر بھی عطا کر

# ذکر حسین رضی اللہ عنہ

## خطبات امام جیلانی

مفتی اسلام ڈاکٹر محمد سعید عبدالقادر جیلانی مدظلہ العالی

علامہ محمد سعید عبدالقادر شاہ جیلانی عظیم دلوں اور تحقیق و اخبار کا  
رائے، اتباع صحیحہ ہیں۔ دو زبان رسالت مآب ﷺ کا چشم و چراغ ہیں،  
عظیم مؤرخ، محقق اور مفسر ہونے کا اعزاز رکھتے ہیں، خوبصورت لکھتے  
ہیں اور با کمال بولتے ہیں۔ علوم جدید و قدیم کا قابل رشک شگم  
ہیں۔ فن خطابت کے شہر پار اور استاد لال اور براہین کی دنیا میں مقتدی  
ہیں۔ ویل روائے فیصلہ کیا ہے کہ پرانے علماء کے خطبات اور  
بیانات پر مشتمل نذر پارے قارئین کی نذر رکے جائیں۔

## شجاعتِ حسین رضی اللہ عنہ

ولا تقولوا لمن يقتل فی سبیل اللہ اموات بل احياء ولكن لا تشعرون (البقرہ: ۱۵۴)  
ترجمہ: (اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں خبر نہیں)۔

حضرت امام جنت مقام امام حسین علیہ السلام کی شہادت عظمیٰ کے ایسے ایام ہیں جن میں دوست کے ہاں Positively (اثباتی) اور دشمن کے ہاں Negatively (نفی) کے طور پر امام حسین علیہ السلام کے ذکر سے درود یارگونج رہے ہوتے ہیں۔ یہ بھی اللہ کریم کا ایک ستور ہے اپنے بندگان خاص کا ذکر شکر و ان کو کبھی ایسے جھنجٹ میں ڈال دیتا ہے کہ کرتے ہی جاتے ہیں۔

میں نے 130۔ جلدوں کی انگریزی میں لکھی ہوئی تفسیر بر متکلم یونیورسٹی کی لائبریری میں دیکھی۔ میں نے اپنی ریسرچ کے دوران اس کو چیک کیا ہے۔ تردید کی غرض سے لکھی گئی ہے۔ مسلمانوں کی تقاسیر میں سے لکھتا ہے، بعد میں اس کا رد لکھتا ہے، لیکن مسلمانوں کی تقاسیر پڑھنے کے بعد ایمان میں اس قدر تاثر لگی آ جاتی ہے کہ بعد میں جب آدمی اس کی تفسیر کو پڑھتا ہے تو ایسا جیسے بلی کھانا چڑھ رہی ہوتی ہے۔

تو میں جہاں ہوتا ہوں کہ رب نے جو عہد فرمایا ہے:

ورفعنا لک ذکوک (الم نشرح: ۴)

”اور ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کر دیا“

تیرے ذکر کو ہم نے اونچا کر دیا۔ یہ کانے خرچ پر مدینے والے کا ذکر اونچا کیا۔

اور قرآن مجید کی رو سے ایک کلیہ (Major premises) بنتا ہے۔ منطق کی زبان میں جس کو کبریٰ کہتے ہیں۔

کہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ اللہ تعمیر کیا تو کعبہ کے تعمیر کر چکنے کے بعد ایک دعا مانگی۔ قرینہ تو یہ ہے کہ کوئی نماز پڑھے، اللہ اللہ کرے۔ بجائے نماز پڑھنے کے یا اور کوئی ذکر کرنے کے دونوں باپ بیٹا ہاتھ اٹھا کر حضور کر دکار میں ایک درخواست کرتے ہیں:

ربنا وابعث فیہم رسولاً (البقرہ: ۱۲۹)

”اے رب ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول“

اے مولا کریم وہ بڑی شان والا رسول بھیج دے۔ لفظ ”میاؤ“ نہیں استعمال کیا۔

کہا اس کو پیداکر، جس کو روزِ یثاق کرسی کی صدارت پر بیٹھا ہوا دیکھ کر آئے ہیں، اسے بھیج دے۔

کسی اور نبی علیہ السلام کا پانچوں وقتوں کی نمازوں میں ذکر نہیں آتا سوائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے۔ اب یہ کس کے عوض میں ملا ہے؟

کہا رسول علیہ السلام اور بھیج ہیں، آپ بھیج ہیں، نبی اور بھیج ہیں آپ بھیج ہیں۔ وہ بھی میرے مطیع فرماں تھے تو بھی میرا مطیع فرماں ہے،

لیکن آج ایک additional quality (اضافی خوبی) تجھ میں پائی گئی ہے اور وہ یہ کہ تو نے اتنا بڑا پلیٹ فارم بنا کے، ہر طرح کا اہتمام کر کے، بڑے عمدہ طریقے سے میرے محبوب کا ذکر اس پلیٹ فارم پر کیا ہے۔ تو کیا یاد رکھے گا کہ کسی کے محبوب کے ذکر کو اس پیار سے کیا ہے۔

اے ابراہیم علیہ السلام تو یاد رکھ کہ تو نے میرے محبوب کا ذکر ایک مرتبہ کیا ہے، اب جو احرارِ مذکر کے نماز پڑھے گا، جب تک حیرا ذکر نہیں کرے گا اس کی نماز ہی نہیں قبول کروں گا۔ اس سے Major premises (کلیہ) یہ بن گیا کہ ”ہر وہ انسان جو پورے اہتمام کے ساتھ ذکر

محمد مصطفیٰ ﷺ کرے خدا اس کے ذکر کو عام کر دیتا ہے۔“

ورفعنا لک ذکوک کا ہے سایہ تجھ پر

بول بالا ہے حیرا ذکر ہے اونچا تیرا

اعلیٰ حضرت کے اس شعر کے مخاطب نبی کریم ﷺ نہیں ہیں بلکہ حضرت والئی اعداد اس کے مخاطب ہیں، یعنی سرکارِ اعداد کو کہنا چاہتے ہیں

آپ کا ذکر بلند ہے۔

لیکن ورفعنا لک ذکوک کی آیت تو حضور ﷺ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور وہ اس جگہ کس طرح چسپاں ہو؟ کہتے ہیں:

ورفعنا لک ذکوک کا ہے سایہ تجھ پر

مطلب یہ کہ حضرت والئی اعداد بیٹے ہیں اس رفیع الذکر کے جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے، لہذا جو پھریرا آپ کے نانا کے

گھر پر ابھرا رہا ہے، اس کا سایہ آپ پر بھی پڑ رہا ہے۔

اس سے ایک Major premises (کلیہ) بن گیا کہ ہر وہ انسان جو دینے والی سرکار ﷺ کے مشن کا کام کرے، سرکار ﷺ کا ذکر بلند کرے، اس کا بھی ذکر بلند ہو جایا کرتا ہے۔

یہ فارمولا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس امر سے بنا کہ پلیٹ فارم بنا کے، شان و شوکت کے ساتھ ذکر مصطفیٰ ﷺ کیا۔ رب نے فرمایا کہ ذکر محمد ﷺ اس اجتماع کے ساتھ تو لے کیا ہے، اب آئندہ جو بھی اس راستے پر چلے گا، میرے محبوب کے ذکر کو بلند کرے گا، اس کے ذکر کو بھی ہم بلند کر دیں گے۔

امام حسین علیہ السلام نے نبی پاک ﷺ کی گود میں بیٹھ کے ذکر کیا ہے، سرکار ﷺ کے کندھے پہ بیٹھ کے کیا ہے اور پھر لوگ نیزہ پر سوار ہو کر بھی کیا ہے۔

آج بے ایمانوں کے خرچے پر امام حسین علیہ السلام کا ذکر بلند ہو رہا ہے۔ ایک غیر مسلم دانشور براؤن جو کہ ایک مستشرق ہے، نے اسلام کے خلاف لکھنے کی مقدور ہرج و مرج کو شش کی ہے لیکن وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا ذکر کرتے وقت کہتا ہے:

Nobody can be compared with Imam Husain in punctuality, regularity, stability.

کہ کوئی دنیا کا آدمی ایسا نہیں ہے کہ جس کا مقابلہ امام حسین علیہ السلام سے کرے۔

اب اس انگریز کے سامنے تو پیغمبر یا غیر پیغمبر کی بحث نہیں ہے کیونکہ وہ عیسائی ہے، مستشرق ہے، اسلام کو اس غرض سے پڑھا کہ اسلام کو ضرر پہنچاؤں گا۔

جیسا ہم مسلمان لوگ مذاہب باطلہ پڑھتے ہیں، یہودیوں کے مذہب کو پڑھتے ہیں، عیسائیوں کے مذہب کو سمجھتے ہیں، ہندوؤں کے مذہب کو سمجھتے ہیں۔ جو مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ کرتے ہیں ان کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ ہم اس کو سمجھنے کے بعد اس پر عمل کریں گے، بلکہ ان کا رد کریں گے۔ جس مقصد کے لئے ہم دوسرے مذاہب پڑھتے ہیں اسی مقصد کے لئے ان لوگوں نے اسلام کی تردید کی غرض سے اسلام کا مطالعہ کیا ہے۔

لیکن وہ انگریز کہتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ کسی کا بھی مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ کس لحاظ سے؟ اس نے کہا بہادری، استقلال، وفا، شجاعت اور مردانگی کے لحاظ سے۔

اور کہتا ہے کہ جو آدمی تاریخی حقائق سے بے خبر ہوگا وہ امام حسین علیہ السلام کے نام کے مقابلے میں رستم کا نام لے سکتا ہے، وہ جاہل ہونے کی وجہ سے لے گا۔ اس وجہ سے نہیں کہ یہ سچائی ہے۔ رستم بہادر، دلیر، شہرہ آفاق مگر امام حسین علیہ السلام کی، ہوا بھی اس کو نہیں لگی ہوئی تھی۔ کیوں؟

”شاہنامہ فردوسی“ نے ”رستم و سہراب“ کے واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ جب رستم اور سہراب دونوں میدان جنگ میں آئے سامنے آئے تو رستم کو یہ پتہ نہیں تھا کہ مہم مقابل سہراب میرا بیٹا ہے۔

رستم بے اولاد ہونے کی وجہ سے ریائزڈ ہو چکا تھا اب وہ کسی لڑائی میں حصہ نہیں لیتا تھا۔ جب جنگ چھڑی، جتنے بھی پہلوان تھے ایک ایک چپٹ کھائی سہراب کے مقابلے میں گر گئے۔ اب کیا کوس نے رستم کی منت کی کہ مہربانی کر تم مقابلے کے لئے چلو۔ اس نے کہا بڑی عزت کے ساتھ زندگی گزاری ہے، پوری زندگی میں میرا جد کا کوئی آدمی نہیں سکا۔ اب میں عمر رسیدہ ہو چکا ہوں۔ اب مجھے دھکل کے لئے کس لئے لے جاتے ہو؟ میری زندگی میں جو شہرت بنی تھی وہ تباہ ہو جائے گی۔

یہ جو سیاسی لوگ ہوتے ہیں بڑے دانش کے امام ہوتے ہیں۔ خواہ کسی برائی کے لئے استعمال کریں، ہوشیار بڑے ہوتے ہیں۔ اسے کہتا ہے تیرا نام بدل دیتے ہیں۔ یہ نہیں کہیں گے تیرا نام رستم ہے۔ دھکل جیت گئے تو اعلان کروں گے کہ رستم نے جیتا ہے۔ اگر ہار گئے تو نام ہی نہیں لیں گے اس داؤ میں رستم آ گیا۔

اب دونوں باپ بیٹا دھکل میں کھڑے ایک دوسرے کو لاکر رہے ہیں اور دونوں کے ہتھیار آسانی، بجلیوں کا مذاق اڑا رہے ہیں اور دونوں حکمرانوں کی کوس اور توران کی فوجیں مقابلے میں تکی ہوئی ہیں اور دونوں پہلوان مقابلے میں آ جاتے ہیں۔ جس وقت پہلا ہی داؤ مارا رستم کو سہراب نے گر لیا۔

رستم آخر پہلوان تھا زندگی میں کبھی شکست دیکھی نہیں تھی اس وقت اسے غیرت آئی اور اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہتا ہے اور رستم! اٹھو اور مردہ بنو کیوں مرنے لگے ہو۔ یہ کہہ کر ایک ہاتھ مارا اور سہراب کو گر لیا۔ سہراب کو گر کر اپنے ترش سے خنجر نکال کے اس کے پیٹ میں پھیر دیا۔



اس وقت سہراب کہتا ہے میں جس باپ کا بیٹا ہوں وہ تم سے حساب لے گا۔ رستم نے پوچھا کس کے بیٹے ہو؟ اس نے کہا رستم کا بیٹا ہوں۔ اگر چنگی بن کے سمندر میں چلے جاؤ گے میرا باپ تیرا پیچھا کرے گا۔ ستارہ بن کے آسمان پہ چلے جاؤ گے میرا باپ تیرا پیچھا کرے گا۔ شہباز بن کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے جاؤ گے میرا باپ تیرا پیچھا کرے گا۔ کبھی نہیں چھوڑے گا میں رستم کا بیٹا ہوں۔

اب رستم وہ خود تھا، اس لئے اس نے کہا کہ رستم کا تو کوئی بیٹا نہیں تھا۔ سہراب نے کہا میں رستم کا بیٹا ہوں۔ اس نے کہا کیا ثبوت ہے؟ آتے ہوئے رستم نے اپنی بیوی کو ایک کمر بند (تعویذ) دیا تھا اگر میرا بیٹا ہو تو سازتلائے کے لئے کہ میں اتنا بڑا جوان ہوں یہ کمر بند اور بازو کا تعویذ اسے دے دیتا۔ پھر مجھے وہ تلاش کر لے گا اس نے اپنے ترشش سے کمر بند اور تعویذ بھی نکالا۔ یہ دیکھ کر رستم دھڑام سے وہ چالاک۔ لوگوں نے رستم کو دگر کرتے ہوئے تو دیکھا مگر وہ بارہا ہٹتے ہوئے نہیں دیکھا۔

مسٹر براؤن کہتا ہے: واہ حسین علیہ السلام تیری ذات پہ قرآنِ ارشم اپنے بیٹے کی موت کا منظر دیکھ کے دم توڑ گیا۔ واہ حسین علیہ السلام تیرے ہاتھوں میں تیرا امیر علیہ السلام ہے، مطلق سے تیرا پارہو گیا ہے اور اسے آخری سانس کے ساتھ اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا منظر جو قرآن بیان کرتا ہے:

فَلَمَّا آسَلَّمَا وَلَهُ، لِلْحَبِیْنِ (الصفت - ۱۰۳)

”تو جب ان دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھی اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا“  
جب باپ بیٹے نے اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا تو منہ کے بل لٹایا کہ کہیں آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے دیکھوں تو رحم نہ ابھر آئے۔ آنکھوں پہ پٹی بھی باندھ لی کہ میری آنکھیں اس کو پھر کتنا بوجھتی ہیں نہ دیکھیں تاکہ حکم خداوندی کی تعظیم آسانی سے کر سکیں۔ ان دونوں منظروں کو سامنے رکھ کر مسٹر براؤن کہتا ہے واہ حسین علیہ السلام!

رستم تو اپنے بیٹے کی موت دیکھ کے اس کو ترہنا ہوا پا کے گراتو پھر اٹھ نہ سکا۔ واہ حسین علیہ السلام تو کیسا شہ زور ہے، کتنا دلیر ہے، کیسا غیرت مند ہے، کیسا مستقل مزاج ہے، کتنا بہادر ہے!

ادھر اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں کہ آنکھوں پہ پٹی باندھیں، تو رسول اللہ ﷺ کا نواسہ ہو کہ پنی کھولے وہ چھری پار نہ کر سکیں، تو اپنے ہاتھ سے علی امغر کے حلقوم سے دشمن کا پھینکا ہوا تیر نکالے تو ساتھ ہی بچہ بھی دم توڑ دے۔ اس کے باوجود تو میدان میں جائے۔ آج پھر یہ کہنے کی بات ہے کہ

اَجِ پُٹیاں کھول وکھا ساں میں ، اَجِ امغر فوج کرا ساں میں

اَجِ سوہنا پار مناساں میں ، اَجِ عشق لوں سبق پڑھا ساں میں

رستم نے جتنی بہادریاں کی ہیں وہ روٹی کھاس کے کی ہیں۔ واہ حسین علیہ السلام، واہ حسین علیہ السلام! تو نے جو بہادری کر کے دکھائی ہے وہ کئی دن کا فائدہ کاٹ کے دکھائی ہے۔ رستم نے جو بہادری کی ہے وہ پانی پنی کے کی ہے، تو نے جو بہادری کی ہے وہ یہاں سارہ کے کی ہے۔ رستم نے جو بہادری کی ہے وہ معاوضہ لے کے کی ہے اور تم نے جو بہادری کی ہے،

گھر لٹانا جان دینا کوئی تم سے سیکھ لے

جان عالم ہو فدا اسے خاندانِ اہل بیت

کہا رستم نے جتنی بہادریاں کی ہیں تنخواہ لے کے کی ہیں، حسین علیہ السلام نے جو بہادری کی ہے گھر لٹا کے کی ہے۔ آخر بیٹے کو مرنا ہوا دیکھا جانیر نہ ہو سکا۔ امام حسین علیہ السلام کا امام علی اکبر علیہ السلام لمبی لمبی زلفوں والا، گردن وہ پھڑک رہی ہے، باڈی وہ پھڑک رہی ہے۔ امام حسن علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے امام قاسم علیہ السلام خوبصورت چہرے پر قد کا جوان ہے جب تک اس کی کمر چلتی ہے ایسا پا چلا ہے کہ آسمان کی بجلیاں کڑک کڑک کے لگ رہی ہیں، ان کی لاش پڑی ہوئی ہے۔ اعضاء کٹے ہوئے ہیں۔ عباسؓ، علمبردار کے بازو کٹے ہوئے ہیں۔

ظلم کیتا ای ڈاڈا ظالما دے جھکا حیدری آن اجاڑیا ای

باواں کٹ حسین دے دیر دیاں علی اکبر دا لاش لٹاڑیا ای

تیرے جو رو جٹا وی حد مک گئی سر حسین دا نیزے تے چاڑیا ای

کل لے سید دے سینے دے زخم سارے جدوں تیر حلقوم وچ ماریا ای

ان مناظر سے گزرنے کے بعد امام حسین علیہ السلام گھوڑے پر سوار ہیں۔ یہ لاشوں کے ڈھیر ادھر ادھر لاشے پھڑک رہے ہیں، پیاس کی وجہ سے طقوٹ خشک ہو رہے ہیں۔ اس کے بعد امام حسین علیہ السلام گھوڑے پر سوار ہو کر میدان کی طرف نکلتے ہیں۔

طبری نے لکھا ہے کہ امام حسین علیہ السلام جس وقت آئے بغضوں پر ٹوٹے، اس وقت امام حسین علیہ السلام کے جوتے مبارک کا تسمہ ٹوٹا ہوا تھا۔ قانونی نقطہ نگاہ سے اگر موقع واردات مرحب کر کے دیا جائے جس میں یہ لکھا ہوا ہو کہ اس بات کے کوئی تیس سے زیادہ گواہ ہیں۔ جنہوں نے کہا کہ بوٹ کا تسمہ ٹوٹا ہوا تھا۔ آپ تعین کرتے وقت کہ determine (فیصلہ) کریں گے کہ کتنے فاصلے پر تھا؟ بوٹ کا تسمہ پچاس گز کے فاصلے پر نظر نہیں آتا اور اگر تیس آدمی ایک وقت اسے دیکھیں تو یہ تھوڑی سی جماعت ہے جنہوں نے دیکھا ہے۔ اگر ایک وقت تیس آدمی مرد دیکھنے والے تھے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مولا مرتضیٰ علیہ السلام کے لخت جگر کی تلواریں زمین میں تھیں۔ امام حسین علیہ السلام صفوں میں آگے تک بڑھے ہوئے تھے۔

ذرا تصور کریں، امام حسین علیہ السلام کا گھوڑا سامنے سے آ رہا ہے، ادھر بچیں ہزاری آدمی ہے، علی کا بیٹا تنہا ہے، سینہ تان کے دشمن کی طرف آ رہا ہے۔ تو سامنے کھڑے ہو کر داد دیں۔

دلا دروں میں فرد ہے یہ کیسا شیر مرد ہے  
کہ جس کے دہلے سے دشمنوں کا رنگ زرد ہے  
یہ بالیقین حسین ہے نبی کا نور عین ہے  
جسبی تو اس کے سامنے یہ فوج گرد برد ہے

ان منزلوں سے دو گزرے تو رب یہ تمنا نہیں دیتے ہیں یہ نشان حیدر سے زیادہ قیمت رکھتا ہے، نشان جرأت سے زیادہ قیمت رکھتا ہے۔

(۲)

ولا تقولوا لمن يقتل فی سبیل اللہ اموات

”ان کو مردہ کہنا ہی نہیں“

کہا ممکن ہے کہنا منع ہو۔ ہوں تو ہوں۔

فرمایا: نہیں۔ بل احياء، ولكن لا تشعرون

”وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے“

اس کا معنی یہ ہے کہ جو چیز تمہاری سمجھ میں نہ آئے اس کا انکار نہ کیا کرو۔ کیا تمہاری سمجھ ساری کائنات کا بیان ہے؟ سمجھنا یہ ہوگا جس کا نام امام حسین علیہ السلام ہے اسی کو نہیں بلکہ اس راستے کے سارے مسافروں کو کہا۔ تمہاری سمجھ میں نہیں آتا لیکن ہے زندہ۔

ہمارے بزرگوں کے علاوہ دیوبند کے شیخ الحدیث انور علی شاہ صاحب لولابی نے اپنی کتاب (فیض الباری شرح بخاری) کے اندر لکھا ہے کہ امام جلال الدین سیوطی نے 70 سے زیادہ مرتبہ نو سو اور دسویں صدی میں نبی پاک ﷺ کو جیتے اور جاتے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

امام جلال الدین سیوطی اپنی کتاب (شرح الصدور فی احوال موتہ و القبر) میں لکھتے ہیں کہ شہدائے احد میں سے ایک شخص کا مزار ہے اور کسی غرض کے لئے وہاں ایک اور مزار کھودنے کی ضرورت پیش آئی۔ اچانک کدال لگی تو ایک طرف سے زمین ٹوٹ گئی۔ تو دیکھا اندر ایک زندہ بیٹھا ہوا ہے۔ زمین کے اندر اوپر سے زمین پختہ ہے، ہموار ہے۔ اندر قرآن مجید پڑھ رہا ہے۔ اندر روشنی بھی دیکھی تو فوراً پوچھتا ہے قیامت آگئی ہے۔

یہ بات امام جلال الدین سیوطی کہتے ہیں، جن کے بارے میں، میں بھی اور آپ بھی کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی پاک ﷺ کو جیتے جاتے ہوئے سر کی آنکھوں کے ساتھ عالم بیداری میں 70 سے زیادہ مرتبہ دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ بھی دیکھے تو حد ہے مقبولیت کی۔

تو وہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ وہ اس قبر میں بیٹھنے والے آدمی نے پوچھا کہ قیامت آگئی ہے؟ تو گڑھا کھودنے والا کہتا ہے کہ قیامت تو ابھی نہیں آئی۔ اس نے کہا ”پھر یہ سوراخ بند کرو، میرا وقت نہ خالی کرو۔“ بعد میں جب تحقیق کیا تو پتا چلا کہ شہدائے احد میں سے ہے۔

عملاً مشاہدہ ہوا، لوگوں نے دیکھا کہ اندر زندہ ہے اور زمین کے اندر مدفون ہے اور مدفون ہو کے زندہ ہے۔ صرف زندہ ہی نہیں بلکہ متحرک بالارادہ ہے اور مدبر بالذات ہے، یعنی جس کا Rational (عقل رکھنے والی) جس کو منطقی عقل رکھنے والی (مدبر بالذات) کہتے ہیں۔ وہ آدمی اب قبر میں ہے وہ صرف مدبر بالذات، متحرک بالارادہ ہی نہیں بلکہ ناطق بھی ہے۔ بات کر رہا ہے۔ اس کو پتا ہے میں کون سی

زبان بولنے والا ہوں۔ اس نے قبر میں جا کے کوئی لینگوئج کورس نہیں کیا۔ معلوم: وہ اپوری باتیں سمجھتا ہے، پوری باتیں کرتا ہے اور کیوں کرتا ہے؟  
وہ مدینے والے تیری رسم و رواج پر قربان! بہادری کیا کی ہے؟ کسی یونیورسٹی میں جا کر کورس کیا ہے؟ بی نہیں، تو پھر کیا کیا ہے؟  
کہا مدینے والے کی خاک راہ پر مندر کھ کر جان دے دی ہے۔

خدا ان کو کس پیار سے دیکھتا ہے  
جو آنکھیں ہیں محو افتائے محمد ﷺ

اسی میدان میں کفار بھی مرے، کیا ان کا کوئی اس طرح کا ریکارڈ ہے کہ وہ بھی زندہ ہیں؟ ان کی زندگی یقیناً مسلمہ ہے لیکن نبی پاک ﷺ کے غلاموں کی زندگی جیسی نہیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنی "تفسیر مظہری" میں آیت وان لیس للانسان الا ما سعی (۱۳۹ النجم) اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کوشش کے تحت لکھتے ہیں: "جو بندگان خاص ہیں یدھون من السماء والارض والجنات حیث یشاؤن" وہ زمین میں، آسمانوں میں اور جنت میں جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں۔"

ندان کا پیر دل خرچ ہوتا ہے، ندان کو کسی کنوئیں کی ضرورت پڑتی ہے۔ بغیر کسی ذریعے کے وہ کیسے آتے جاتے ہیں؟  
بخاری شریف میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جس کنوئیں (سواری) کو استعمال کیا وہ سرکار ﷺ کے عشق و محبت کا حیث طیارہ ہے کہ براق پیچھے گیا ہے بلال جشی رضی اللہ عنہ پہلے جنت میں گھوم رہا ہے اور اس کو راستے میں کوئی روکنے والا نہیں۔

تو قاضی ثناء اللہ پانی پتی متوفی ۱۳۲۵ھ فرماتے ہیں وہ زمین، آسمان، جنت میں جہاں جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں۔ کون جاتے ہیں؟ قبروں میں گئے ہوتے۔

بڑی شخصیت کا آدمی ہے، تفسیر مظہری عربی میں ۱۰ جلدوں کی کتاب ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اہل اللہ اپنی قبروں میں سے نکل کے جنت میں جانا چاہیں کوئی روکتا نہیں۔ آسمان پر جانا چاہیں کوئی روکتا نہیں، زمین میں جس جگہ جانا چاہیں کوئی روکتا نہیں۔ جب کوئی روکتا نہیں تو پھر آنے جانے کی بحث کیا ہے؟ کہتے ہیں پھر کرتے کیا ہیں؟ اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں قبروں میں جانے کے بعد۔

یہ بات قاضی ثناء اللہ پانی پتی کہتے ہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی طریقت میں مرزا مظہر جان جاناؒ کے خلیفہ ہیں۔ یہ تین چار واسطوں کے ساتھ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ کے خلیفہ ہیں۔ تو صوفی بھی کمال درجے کا ہے۔ مولوی بھی کمال درجے کا ہے۔ وہ آدمی لکھتا ہے کہ اپنے دوستوں کی امداد کرتے ہیں۔ اپنے دوستوں کے جو دشمن ہوتے ہیں ان کو ہلاک بھی کرتے ہیں۔

(۲) لا تقولوا لعن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء و لکن لا تشعرون (البقرہ: ۱۵۴)

"اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں خبر نہیں"

بسا اوقات کہ بلا شریف کے حوالے سے دانشوروں کا ایک طبقہ یہ کہتا ہے کہ یہ ساری من گھڑت کہانیاں ہیں۔

مثلاً واقعات کر بلا سے اس وقت فضا پر کوئی اثر ہوتا۔

اس سے کم از کم بین الاقوامیت ثابت ہوتی ہے کہ واقعہ کر بلا ایک شخصی قسم کا واقعہ نہیں تھا، ایک قبیلہ کی قسم کا واقعہ نہیں تھا، بلکہ خدا کی ہستی کا نکتہ میں ایک عالمی حقیقت تھی۔ اس لئے اس سے پورا عالم متاثر ہوا۔ جس میں آسمان سے خون برسنا ہے۔ عراق کے علاقے میں پتھروں کے نیچے خون پایا جاتا ہے۔ دیواروں پر بدلتوں تک اس خون کے چھینٹے بدستور ہر شہر، ہر بستی، ہر مقام پر رہے۔ اس کے علاوہ سورج کا گرہن لگنا ہے۔

تو کچھ لوگ کہتے ہیں کہ محض زہب و استار کے لئے واعظین نے یہ باتیں گھڑی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں اگر ان سب واقعات کو بھی واقعہ کر بلا کی حقیقتوں سے خارج کر دیا جائے تو نہ مرتبہ حسین علیہ السلام میں کوئی فرق لاسکتا ہے، نہ حسنین میں کوئی فرق لاسکتا ہے، نہ اس واقعہ کی نظریاتی قوت میں کوئی فرق لایا جاسکتا ہے۔ محض منہ چڑانے والی بات ہے۔

مگر جو قوم ایسا کر رہی ہے ان کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ کبھی انہیں حضور مصطفیٰ ﷺ میں حاضر ہونا ہے۔ میرا اور آپ کا کوئی عزیز مر جائے اور اگر کوئی صرف فاتح ہی نہ کہنے آئے تو ہم اس سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ اس کے فاتح کہنے سے مجھے اور آپ کو کیا مل رہا تھا؟ کچھ ملا تو نہیں۔ اس کے آجانے سے میرا معاشی Status تو نہیں بدل گیا۔ میرے مالی حالات تو تبدیل نہیں ہوئے۔ میری سیاسی قوت تو نہیں بڑھ گئی۔ فاتح نہ پڑھنے پر ناراض کیوں ہوں؟

دراصل انسان کی فطرت ہے کہ کوئی اس کے شریک غم، دوتا اچھا لگتا ہے۔

اگر کوئی اس وقت یہ کہہ دے کہ اس کا کوئی مرگیا تو کیا ہوا؟ روزانہ لوگ مرتے رہتے ہیں۔ اگر یہ جملہ بول دیا جائے، نہ تو یہ کمالی ہے، نہ لڑائی ہے۔ اپنے دل پر ایک مرتبہ ہاتھ رکھ کر مجھے جواب دیجئے۔ اگر خدا خواست میرے اور آپ کے کسی عزیز کی موت واقع ہو، کوئی شہد راوی آکر کہتا ہے کہ فلاں نے حیرے بیٹے کی وفات پر، تیرے باپ کی وفات پر، حیرے بھائی کی وفات پر یہ جملہ بولا تھا، ایمان سے بناؤ زندگی میں یہ بات تمہارے ذہن سے کبھی اترے گی؟

تو دونوں جہاں کے میرے بھائی کا وہ نور نظر جس پر سرکار ﷺ نے اپنا بیٹا قربان کیا تھا، جس کو اپنا بیٹا دے کے بچا لیا تھا۔ یہ اٹھ حدیث ہے اور اپنوں اور بیٹوں کے ہاں موجود ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام بھی اور آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی دونوں حضور ﷺ کی گود میں ہیں۔ حضرت جبرائیل امین حاضر ہوئے۔ یا رسول اللہ ﷺ ان دونوں میں سے ایک کو رب لینا چاہتا ہے، بتائیے ان میں سے کون سا خوشی سے دے سکتے ہیں؟ تو سرکار ﷺ نے جواب میں فرمایا: میں خوشی سے ابراہیم علیہ السلام دے سکتا ہوں، حسین علیہ السلام نہیں دے سکتا، لینا چاہے تو دونوں اس کے مال ہیں، لیکن میرا انتخاب نظر استعمال کرنا چاہے اپنے کرم، اپنی عطا سے، تو میں ترجیح دوں گا کہ میرا ابراہیم علیہ السلام لے لیا جائے، میرا حسین علیہ السلام نہ لیا جائے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے لینے سے فقط مجھے چوٹ لگے گی، اس کو میں سہہ سکتا ہوں، لیکن حسین علیہ السلام کے لینے سے مجھے بھی چوٹ لگے گی، میری فاطمہ علیہا السلام کو بھی چوٹ لگے گی اور میں فاطمہ کو آزدہ نہیں دیکھ سکتا۔ اگر پروردگار عالم مہربانی فرمائے تو میرا ابراہیم علیہ السلام لے لے۔

جس آدمی کا اکلوتا بیٹا ہو وہ کسی پر قربان کرے، بعد میں افسوس رہتا ہے کہ میں نے غلطی کی ہے، مگر سرکارِ جدار مدینہ علیہ السلام جب بھی کبھی امام حسین علیہ السلام کو دیکھ لیتے فرماتے: ”قربان جاؤ کہیں بیٹے حیرے کہ میں نے اپنا حقیقی بیٹا دے کے حیرے بدلے میں تجھے بچا لیا ہے“ اور امام جنت مقام نے بھی میدان کر بلا میں اپنا بیٹا اصغر علیہ السلام راہِ مولا میں قربان کر کے واضح کر دیا کہ اے محبوب کبریا علیہ السلام! تیرے مشن کا معاملہ ہے کہ تیرے مشن کے حلق پہ چھری رکھی جائے یا میرے حضرت علی اصغر علیہ السلام کے حلق پہ چھری رکھی جائے، تو میں نے تیرے مشن کی، تیرے دین کی گردن پر سے چھری اٹھا کے اپنے بیٹے کی گردن پر رکھ لی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام ساری کائنات میں بعد از مصطفیٰ ﷺ افضل ہیں، جو حضور ﷺ کے بعد سب سے افضل انسان تھے، انہوں نے بھی اپنے بیٹے کی قربانی کا وقت آیا تو اپنی آنکھوں پہ پٹی باندھی تھی۔ آج کربلا کے میدان میں 25 ہزار دشمن بھی گواہ ہیں۔

اج پٹیاں کھول دکھا ساں میں

اج اصغر نوں ذبح کراساں میں

اج عشق نوں سبق پڑھا ساں میں

اج سوہناں یار مناساں میں

آج سے جو شتر عشق کی یلغار میں جب بھی انسان آیا تو انسان نے ہتھیار ڈالے، لیکن حسین علیہ السلام نے جن سرحدوں پر (عشق نے) انسانیت کو روکا تھا آج وہ سرحد پار ہو رہی ہے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کہتے ہیں:

اج پٹیاں کھول دکھا ساں میں

اج اصغر نوں ذبح کراساں میں

اے پیارے! اگر جینا لے کے تو راضی ہوتا ہے، تو نے کبھی اپنا بیٹا دے کے میری ماں کو راضی کیا تھا، مجھے خوش کیا تھا۔ آج میں اپنا بیٹا دے کے تجھے خوش کر رہا ہوں۔ اگر چھوٹا بیٹا چاہئے تو یہ ربا علی اصغر علیہ السلام۔ اگر بڑا بیٹا چاہئے تو یہ ربا علی اکبر علیہ السلام۔ آج جو انیاں بھی قربان کی ہیں، آج بچپن بھی قربان کئے ہیں، آج گھر بھی قربان کیا ہے، اہل خانہ کو بھی خطرے میں ڈالا ہے۔ متاعِ زندگی کے دھوکے اڑ رہے ہیں، لیکن آج یہ واضح کر رہا ہوں۔

عشق کے قتل میں دست دپا بلانا ہے منع

کہنے والا اگر یہ کہنا چاہتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام پہ جو جیتی ہے وہ من گھڑت story (کہانی) ہے، تو اگر مسلمان ہو کے کہنا چاہتا ہے تو پھر تو چانس نہیں ہے، بے ایمان ہو کے کہنا چاہتا ہے تو کوئی روک نہیں سکتا۔ دیکھنا یہ ہوگا کہ ایمان کی خیر مٹا کے کہنا چاہتا ہے یا ایمان کا دیوالیہ کر کے کہنا چاہتا ہے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ کی ”خصائص کبریٰ“ جلد دوم کے صفحہ ۳۳۹-۳۴۰ پر امام حسین علیہ السلام کی بحث پھیلی ہوئی ہے۔ انہوں نے یہ کتاب واقعہ کربلا کی غرض سے نہیں لکھی۔ (باب الاخبار عن الغیوب) کے تحت یہ بات لکھی ہے، یعنی سرکارِ دو جہاں ﷺ کے سامنے پوری بزم موجودات تھی، جو کچھ ہو چکا تھا وہ سرکارِ ﷺ کے سامنے تھا، جو ہونے والا تھا وہ بھی سرکارِ ﷺ کے سامنے تھا۔ اس کے نمونے کے طور پر، اس کو ثابت کرنے کے لئے یہ بات واضح کی کہ یہ باتیں نبی پاک ﷺ نے اپنی زبان سے ارشاد فرمائی ہیں۔

تو جب نبی پاک ﷺ کی زبان مبارک سے وہ باتیں نکلی ہوئی ہوں، جناب حیدر کرار علیہ السلام نے وقت سے پہلے اپنی اس قوتِ روحانی سے یہ باتیں پتا کی ہوئی ہوں اور ہماری معتبر اور مستند کتابوں میں موجود ہوں تو پھر واعظ پچارے پر کیوں الزام دیتے ہو؟ مثال کے طور پر کچھ لوگوں کی تعلیم کم ہے لیکن وہ ذکر اہل بیت کرتے ہیں۔ یہ کس جگہ لکھا ہے کہ جب تک وہ انگلیزنڈ نہ جائے وہ ذکر اہل بیت نہ کرے۔ جو سیدھے سادے مسلمان ہیں، کچھ بھی نہیں جانتے، جو ہی امام حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام کا نام آتا ہے، آخر اہل بیت کا نام آتا ہے، حضرت والی بعد از ﷺ کا نام آتا ہے، حضرت غریب نواز سلطان الہند سرکار رحمۃ اللہ علیہ کا نام آتا ہے، حضرت سید شاہ چراغ لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا نام آتا ہے، حضرت شاہ محمد غوث اچمی رحمۃ اللہ علیہ کا نام آتا ہے، حضرت شاہ تقیم شاہ بادشاہ رحمۃ اللہ علیہ حجاز شریف والوں کا نام آتا ہے، حضرت پیر جماعت محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کا نام آتا ہے، پیر حیدر علی شاہ صاحب جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ کا نام آتا ہے، حضرت خواجہ چکان پیر مہر علی شاہ صاحب گلڑوی رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی آتا ہے تو لوگ بے ساختہ کہتے ہیں آلِ نبی ﷺ اولادِ علی علیہ السلام ہیں۔ اب یہ کہنے کے لئے کیا کوئی کورس کرنا چاہئے؟ یہ ہر مسلمان کو معلوم ہے کہ یہ کون لوگ ہیں۔ تو ان سے محبت کا وہ اظہار کیا جاتا ہے جو بڑے سے بڑے پڑھے لکھے آدمی کے لئے نہیں کیا جاتا۔ تو اس حسد کی وجہ سے یہ کہنا چاہئے کیونکہ یہ خاتون پڑھی ہوئی نہیں ہے تو اولادِ رسول اللہ ﷺ کے نام پر اس نے یہ کیوں کہا ہے آلِ نبی اولادِ علی ہیں۔

پڑھنے کے لئے، علم کے لئے، یونیورسٹی نہیں چاہئے، بعض وقت ماؤں کی گودوں میں وہ علم مل جاتا ہے جو یونیورسٹیوں میں نہیں ملتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس یونیورسٹی کے پڑھے ہوئے تھے؟ علم کتابی کے مقابلے میں مجلس کی قوت زیادہ ہے۔

وین مجو اندر کتب اے بے خبر  
علم و حکمت از کتب، دیں از نظر

اگر آپ علم و دانش جانا چاہتے ہیں ضرور کتابیں پڑھیں لیکن دین سیکھنا چاہتے ہیں تو کسی اہل فکر کے پاس ضرور جائیں، ورنہ ایسا ممکن ہوگا کہ علم کے ہوتے ہوئے بھی بیڑہ غرق ہو سکتا ہے۔

آئیں اس پر غور کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کی ذاتِ بابرکات نے امام جنت مقام علیہ السلام کے بارے میں کن تاثرات کا اظہار کیا اور وہ کہاں لکھا ہوا ہے:

حضرت امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ کی خصائص کبریٰ جلد دوم ص: ۳۵۲ کے اندر لکھا ہوا ہے:-

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جن کا سن وفات ۲۴۱ھ ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اکثر و بیشتر فاضل السجستان ان سے ہے۔ یہ ان کے آخری استاد ہیں۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا سن وفات ۹۱۱ھ ہے مصر کے رہنے والے ہیں اور انور علی شاہ صاحب لولابی جو یوہند کے شیخ الحدیث ہیں انہوں نے اپنی کتاب (فیض الباری شرح بخاری) میں لکھا ہے کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے دسویں صدی کے اوائل میں اور نویں صدی کے اواخر میں نبی پاک ﷺ کو جیتے اور چلے گئے ہوئے سر کی آنکھوں کے ساتھ ۷۰ سے زیادہ مرتبہ دیکھا ہے۔ اس پر امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی رفرنس موجود ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس حدیث کو روایت کرتے ہیں کہ واقعہ کربلا جس تاریخ کو پیش آیا اس دن کی بات ہے:

وآہ ابن عباس نصف النهار اشعت اغبر بیده قارورة فیہا دم ینقطعہ فسالہ فقال: دم الحسین واصحابہ لم ازل اتبعہ منذ الیوم فظفر وافوجدہ قد قتل فی ذلک الیوم فاستشهد الحسین.

(ص: ۱۹۲-الصواعق المحرقة)

کہتے ہیں، میں نے عالم خواب میں سرکارِ تاجدارِ مدینہ ﷺ کو دیکھا۔

(بخاری شریف جلد دوم ص: ۹۱۵) میں حدیث پاک ہے: **مَنْ دَانَى فِي الْمَنَامِ فَقَدْ دَانَى فَاِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَتَّلُ "مَنْس" نے مجھے عالم خواب میں دیکھا ہے اس نے سچ کچھ مجھے ہی دیکھا ہے، شیطان میری مشق نہیں بن سکتا، جس نے مجھے دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا ہے، جو بات میں نے اس سے کہی ہے، وہ میں نے ہی کہی ہے، وہ میری ہی بات ہے۔**

نہیں تو حدیث کی کتابوں میں یہ باتیں کیوں لکھتے۔ اگر عام خواب کی قسم کی چیز ہوتی تو محدثین ان باتوں کو حدیث کی کتابوں میں حدیث کا معیار مل مان کے کیوں لکھتے؟

معلوم ہوا کہ نبی پاک ﷺ عالم خواب میں بھی بات کریں تو وہ حدیث ہے، عالم بیداری میں بھی بات کریں تو حدیث ہے۔ کیونکہ سرکار ﷺ نے فرمایا کہ "جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو سچ کچھ وہ میں ہی تھا۔"

واقعات کر بلا کی المناکی جو لوگ بیان کرتے ہیں ان کو میں اچھا سمجھتا ہوں، اس لئے کہ کسی بہانے خاتون جنت کے لخت بھگڑا ذکر تو کرتے ہیں، دوش رسول کے شہسوار کا ذکر تو کرتے ہیں۔ کتنی بے ایمانی کی قسم کا کام ہے کہ تعلیم کی کمی کا الزام دے کر ان کو بند کرنا چاہتے ہیں کہ یہ ذکر اہل بیت نہ کریں۔ اصل میں ان کا فٹا ماور ہے۔ وہ ذکر اہل بیت روکنا چاہتے ہیں۔

اگر واقعات کی اسناد کو، ان کے معتبر ہونے کو معلوم کرنا چاہتے ہوں تو تمہیں بتانا ہوں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں نبی کریم ﷺ کو دیکھا (ذات یوم) ایک دن (نصف النہار) دو پہر کے وقت (اشعت اغیر) سرکار ﷺ کے بال نکھرتے ہوئے ہیں، ریش مبارک اور زلفوں مبارک پر گرد پڑی ہوئی ہے۔ وہ زلفیں:

والضحیٰ (۱) والبال اذا مسجی (۲)

اے پیارے تیرے چہرہ زیب کی قسم، اس تیری زلف تابدار کی قسم جو تیرے اس چہرہ مبارک پر ایک مرتبہ لہرا کے دکھائی ہے۔

سرکار تاجدار مدینہ کسی کافر کے کچھ برا بھلا کہنے کی وجہ سے کبیدہ خاطر ہیں اور آپ ﷺ کی زلف تابدار نمھری ہوئی ہے، ترتیب نہیں پائی ہوئی۔ (حضور ﷺ کی زلف ترتیب پاکہ بھی ایک حسن رکھتی ہے اور نکھر کے بھی ایک حسن رکھتی ہے۔) علامہ عبدالرسول (متن متین کے مصنف) نحو کا آخری امام ہے ان کے بعد کوئی فن نحو پر اس پائے کی کتاب نہ لکھ سکا، ان کا شعر ہے:

کیسے مشکلین رخ محبوب تک آنے لگے  
چشمہ خورشید میں بھی سانپ لہرائے لگے

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت نبی کریم ﷺ کے چچا زاد بھائی، سرکار ﷺ کی اہلیہ محترمہ حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کے سگے بھانجے اور اس ماں کے بیٹے جس نے ابولہب کو ایک لاشعی مار کے مار ڈالا تھا۔ جس دن بدر کی لڑائی ہوئی تھی۔ ایک غلام نے جا کر اطلاع دی کہ مسلمانوں نے کافروں کو جرمولی کی طرح کاٹ پھینکا ہے۔ چوٹی چوٹی کے آدمی مار دیے ہیں، ساری فوجی قیادت تباہ کر دی ہے۔ جتنے بے فکرگی تدبیر کرنے والے بے ایمانی کے امام ہیں سب کو پکڑ کر لے گئے ہیں۔ 70 آدمی مار ڈالے ہیں، 70 کو پکڑ کے لے گئے ہیں۔ باقی کو ڈاکرٹ ہی جان بچا کے آیا ہے، لیکن ایسا کوئی نہیں کہ جو بدر میں گیا ہو اور دشمنی نہ ہوا ہو۔ تو ابورافع نامی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ایک ملازم تھے، آپ زم زم پر پانی تقسیم کر رہے تھے وہ مسلمان صحابی تھے اٹھ کر اچھلنے لگے کہ مسلمان جیت گئے۔

ابوہبل اصل میں chief of state تھا لیکن آتے وقت اپنی جگہ قائم مقام ابولہب کو صدر بنا کے آیا تھا۔ ابولہب نے acting president ہونے کی حیثیت سے اٹھ کر ابورافع رضی اللہ عنہ کے منہ پر ایک چپٹ مار دی۔ کہنے لگا ہمارے دشمن جیتے ہیں اور تو اچھل رہا ہے۔ حضرت ام الفضل بنت الحارث اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئیں تھیں۔ کعبہ شریف اس وقت تازہ اکھاڑ کے بنایا گیا تھا۔ اس کا کچھ معیار مل اور ادھر پڑا ہوا تھا۔ وہاں سے ایک لکڑی کی بلی اٹھا کے ابولہب کے سر پر ماری۔ انہوں نے کہا بے ایمان مارتا ہے، ہم نے کلمہ نہ پڑھا سکی، لیکن ہمارا بھتیجا تو ہے، ان کے جیتنے پر تو ناراضگی کیوں کرتا ہے؟ میں بھی خوشی کرتی ہوں جو کر سکتا ہے کر لے۔ جو ایک لاشعی لگی اس سے بائیسویں دن مرا تھا۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس ماں کے بیٹے ہیں۔ کہتے ہیں: "دو پہر کے وقت دیکھا سرکار ﷺ کے بال نکھرتے ہوئے ہیں، سرکار ﷺ کے چہرہ زیب پر گرد پڑی ہوئی ہیں۔ (بیدہ غار و دہرہ سرکار ﷺ کے ہاتھ میں ایک بوتل اٹھائی ہوئی ہے۔

یہ کہانی تو نہیں ہے۔ امام جلال الدین سیوطی کی کتاب (قصص کبریٰ) ہے جنہوں نے 70 سے زیادہ مرتبہ سرکار ﷺ کو وفات کے ایک

بزار بر سر بعد جیتے جاتے ہوئے عالم بیداری میں دیکھا، وہ آدمی لکھ رہا ہے۔ راوی حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔ کہتے ہیں کہ سرکار ﷺ کے ہاتھ میں بوتل ہے۔ اس میں ہے کوئی مبالغہ؟

جس بات سے سرکار ﷺ کا دل تڑپا ہے۔ اگر اس سے سورج بھڑکا ہے، چاند تڑپا ہے، زمینوں و آسمانوں میں بے قراری آئی ہے، تو مدینے والے کے دل میں بے قراری آنے کے بعد ان بے قراریوں کی کیا قیمت رہتی ہے؟ جس کی بے قراری سے گرمی محشر میں دھوم مچ جائے گی۔ محبوب ناراض ہو رہا ہے:

ولسوف يعطيك ربك فترضىٰ .

اور پیارے اور ٹھٹھا نہیں جو کہو گے سو کریں گے

یہ اس دل کی تڑپ کی بات ہے۔

حضور ﷺ کے دست گرامی میں شیشی تھی۔ (فیہا دم) اس میں خون تھا۔

دیکھتا کون ہے؟ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کس کو دیکھتے ہیں؟ سرکار ﷺ کو۔ وقت کون سا ہے؟ دوپہر کا۔

امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے وقت سے co-ordination (مطابقت) ہو رہی ہے۔

کہتے ہیں: میں نے عالم خواب میں سرکار ﷺ سے عرض کیا: (ما ہذا) یا رسول اللہ ﷺ یہ کیا ہے؟ (فقال هذا دم الحسين

واصحابہ) فرمایا: یہ امام حسین علیہ السلام کا خون ہے اور اس کے دوستوں کا خون ہے۔

نبی پاک ﷺ کا مزار پاک مدینہ شریف میں ہے، واقعہ کربلا شریف (عراق) میں دریائے فرات کے کنارے پر ہو رہا ہے۔ نبی پاک ﷺ

قبر سے اٹھ کر وہاں جائیں اور وہاں سے specimen (شواہد) اکٹھے کریں کہ کل گرمی قیامت میں ان چیزوں کو پیش کیا جانے والا ہے۔

اب اور کسی نبی، ولی، غوث، قطب، پیغمبر، قلندر کے خون کو اس طرح اکٹھے نہیں کیا گیا صرف ان کے خون کو اکٹھا کیا گیا، تو واقعات کو ثابت کرنے کے لئے۔

یومئذ تحدث اخبارها (۴)

ہاں دیکھ اوحیٰ لہا (۵)۔ (الفرقان)

”اس دن وہ اپنی خبریں بتائے گی اس لئے کہ تمہارے رب نے اسے حکم بھیجا“

اس دن زمین خود بول کے کہہ دے گی کہ اس آدمی نے یہ یہ جرم یوں یوں کیا ہے، پھر مٹی اکٹھی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

دراصل محبت کی عادت ہے کہ محبت اپنے محبوبوں کی یادوں کو زندہ رکھتی ہے۔ کہا حسین تیری مٹی اپنے پاس رکھوں گا، تیرا خون اپنے پاس رکھوں گا۔

جس کی وجہ سے سرکار تاجدار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر بے قرار ہوئی، اس بے قراری کے بارے میں اور بھی ثبوت چاہئے؟ ابن عباس

رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یا رسول اللہ ﷺ یہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا ”یہ حسین علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے“۔ آپ ﷺ کے

پاس کس طرح آگیا؟ فرمایا اذل اتبعہ منذ الیوم ”آج صبح سویرے سے جب سے جنگ شروع ہوئی ان کے دوستوں کا خون ہی

اکٹھا کرتا رہا ہوں“ ان کے لئے بوتل کون سی ہے؟ کہا بوتل حسین علیہ السلام والی ہے، ان کے دوستوں کا خون اسی بوتل میں جمع کیا ہے جہاں

حسین علیہ السلام کا خون جمع کیا ہے۔

ایک راغبہ غریب مسافر، اہل بیت کا کچھ نہ لگتا تھا، اس کے خون کو حسین علیہ السلام کے خون کے ساتھ اکٹھا ہونے کا موقع کس طرح ملا؟

کیونکہ وہ حسین علیہ السلام کے مشن میں شریک ہوا تھا، حسین علیہ السلام کے خطرے میں شریک ہوا تھا۔

معلوم ہوا جو دوست کے خطرے میں شریک ہو دوست کے انجام میں بھی شریک رہتا ہے۔

جو نالغہ لڑنے والے ہیں ان سے پوچھا گیا تم جانتے ہو کہ نہیں، حسین علیہ السلام حق پر ہے؟

جی جانتے ہیں حسین علیہ السلام حق پر ہیں۔

جانتے ہو کہ حسین علیہ السلام دوش رسول ﷺ کا شہسوار ہے؟

جی جانتے ہیں کہ حسین علیہ السلام دوش رسول اللہ ﷺ کا شہسوار ہے۔

پھر لڑتے کیوں ہو؟ کہنے لگے ”سیاہی مجبور پاں ہیں، کچھ غداوات ہیں“۔

آج کل جو بیاریاں ہیں، یہ بیاریاں امام حسین علیہ السلام کے وقت میں بھی تھیں۔

کہنے لگے "دل ہمارا حسین علیہ السلام کے ساتھ ہے اور تلواریں نیزہ کے ساتھ ہیں۔"

قیامت میں جس طرف اپنی پاور کا استعمال کیا ہے اسی طرف اٹھیں گے۔

آج مجھے بھی اور آپ کو بھی اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ میری اور آپ کی تلوار مدینے والے کے مشن میں استعمال ہو رہی ہے کہ نہیں؟ میری اور آپ کی قوت محبوب کبریاء ﷺ کے مشن میں، امام حسین علیہ السلام کے مشن میں خرچ ہو رہی ہے کہ نہیں؟

یاد رکھیں! ہم ہر ہر آدمی سرکار ﷺ کے مشن کو تقویت پہنچا سکتے ہیں اور آپ اگر مدینے والے کا حالیہ ہی غائبی تو دیکھیں مدینے والے کے مشن کو تقویت ملتی ہے کہ نہیں۔

کلمہ مدینے والے کا پڑھو اور حلیہ کافروں کا سناٹا دوا ہو، زیوروں، عیسائیوں، بے دینوں کا سناٹا ہوا ہو تو پھر weight بے ایمانوں کا بٹا رہے ہو۔ صرف کلمہ پڑھ کے کہتے ہو مدینے والے کے غلام ہیں؟ چاہئے تو یہ زندگی کے ہر شعبے میں مدینے والے کے انداز اختیار کرو۔

میدان کر بلا میں بھی یہی مسئلہ سامنے تھا کہ weight (وزن) بتا رہے تھے نیزہ کا اور منہ سے کہہ رہے تھے کہ ہم امام حسین علیہ السلام کو چھماکھتے ہیں

اپنے دل پہ ہاتھ رکھ کر بغیر پڑھنے لکھنے کے ازراہ انصاف بتاؤ کہ قیامت کے میدان میں ان کی یہ نیت کام آئے گی؟ کہ نیت سے تو امام حسین علیہ السلام کو چھماکھتے تھے۔

اللہ اور اس نارسول ﷺ کہے کہ تمہاری تلواریں بے ایمانوں کے ساتھ تھیں، اس لئے تمہارا حشر بے ایمانوں کے ساتھ ہوگا۔

اب سرکار دوا عالم ﷺ کو صرف تسکین ملتی ہے کہ خون حسین علیہ السلام لے آیا ہوں وگرنہ ان کے خون لینے نہ لینے سے کیا اثر پڑتا ہے؟

دراصل یہ بتانا مراد ہے کہ کیوں کہتے ہو معمولی بات ہے! اگر اس حادثے سے گنبد خضراء لرز گیا ہے، میں اپنی قبر سے اٹھ کے میدان کر بلا میں گیا ہوں، خون کا ایک ایک قطرہ اکٹھا کرتا رہا ہوں۔ کیوں کہتے ہو یہ بات معمولی ہے؟

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھنے پر سرکار ﷺ نے فرمایا یہ حسین علیہ السلام کا اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے جو صبح سے اکٹھا کرتا چلا آیا ہوں۔ تو اس وقت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں فوج جدد، قد قتل فی ذلک الیوم فاستشهد الحسنین۔

اس وقت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے calculate (نثار) کیا کہ آج دن کونسا ہے؟

محرم کی دسویں ہے۔

وقت کون سا ہے؟

ادھر خواب میں جود کھینے کا منظر ہے وہی اس وقت میدان کر بلا میں حاضری کا وقت ہے۔

اب بتاؤ کہ آپ کا ٹیلی ویژن ایک کورا، لپٹنڈی دکھاتا ہے، اسی کو کراچی، اسی کو لندن دکھاتا ہے۔ ایمان لاتے ہو کہ یہ ایک آدمی ایک وقت میں متعدد جگہ موجود ہے۔

مدینے والا ادھر کر بلا میں بھی موجود ہے، ادھر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے بھی موجود ہیں، ادھر گنبد خضراء میں بھی موجود ہیں، تو نبی پاک ﷺ کا ٹیلی ویژن زیادہ زور والا ہوا۔ بجلی چلی جائے تو یہ ٹیلی ویژن کام نہیں کرتا۔ کائنات کی بجلیاں اڑ جائیں تو مدینے والے کا ٹیلی ویژن کام کرتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی دوسری حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جن کو حضرت سرور عالم ﷺ نے وہ مٹی عنایت فرمائی تھی جس میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی اطلاع دی۔ اب احادیث موجود ہیں، کیوں کہتے ہو واعظین نے گھڑ لی ہیں؟

امام حاکم (المتوفی ۴۰۵ھ) جن کی کتاب مستدرک ہے اور یونیشاپور کے رہنے والے ہیں۔ ایران کے بارڈر پر کھڑے ہو کے ۲۰۰ میل کی دوری پر شمال کی طرف دیکھیں، ایک ستارے جتنی چھوٹی سی جھیل نظر آتی ہے جس کا نام بحیرہ خوارزم ہے اس کے مشرق میں نیشاپور ہے۔

"مستدرک" کے اندر لکھا ہوا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

ان ام سلمة و انت النبی باکیا وبراسہ ولحیة التراب فسالته فقال قتل الحسين انفاً. (الصواعق المحرقة ص: ۱۹۳)

نبی پاک ﷺ کو میں نے عالم خواب میں دیکھا کہ نبی پاک ﷺ کے سراقہ میں پر بھی اور ریش مبارک پر بھی مٹی تھی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بتائیں آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ نبی پاک ﷺ نے فرمایا "ابھی امام حسین علیہ السلام کی شہادت گاہ سے آیا ہوں، چونکہ اس جگہ گیا ہوں



جہاں گرواڑ رہی تھی تو حسین علیہ السلام کی شہادت گاہ کی منی ہے۔

جس واقعہ سے نبی پاک ﷺ کا گنبد خضر الرزاٹھے اسے یہ کہنا کہ یہ معمولی بات ہے؟

حضرت امام ابو نعیم نے حدیث روایت کی ہے کہ حبیب بن ابی ثابت کہ بلا شریف میں موقع پر گئے۔ کہتے ہیں ہم نے جنوں کا نو حرسنا جن مرچے پڑھ رہے تھے۔ جس واقعے سے آتشِ مخلوق بھی تڑپ اٹھی، اس کو کہتے ہو معمولی واقعہ ہے، لوگوں کی من گھڑت بات ہے! جنوں کا یہ نو حرام جلال الدین سیوطی کی خصائص کبریٰ ص: ۳۵۴ جلد دوم میں لکھا ہوا موجود ہے:

مسح النبی جبیلہ

فلہ بریق فی الخدود

ابواہ فی علیا قریش

وجده غیر الجدود

جنات کہتے ہیں: ”نبی کریم ﷺ نے حسین کی پیشانی پر دست اقدس پھیرا ہے۔ ان کے رخساروں میں نور کی چمک ہے۔ ان کے ماں باپ قریش میں بلند رتبہ ہیں اور ان کے جد ساری مخلوق کے اجداد سے بہتر ہیں۔“

امام حسین علیہ السلام جب شہید ہو گئے، ان کے چہرے پر گرد و غبار پڑا ہوا ہے، مدینے والے اپنی چادر سے، منزل کے کھل سے حسین علیہ السلام کا چہرہ صاف کرتے ہیں۔ محبوب کبریا ﷺ نے اس کے چہرے کو اس کی پیشانی کو پونچھا ہے اسی لئے اس میں سورج والی تجلیاں نظر آ رہی ہیں۔

امام ابو نعیم نے ابن روحیہ کے طریق سے ایک حدیث روایت کی ہے: وہ کہتے ہیں جس وقت قتل حسین علیہ السلام کا کام انجام دے کے راستے میں جا رہے ہیں، ایک گرجا کے پاس جا کر کے ٹھہرے تو اچانک ایک پتھر پر لکھا ہوا دیکھا ہے:

اقر جوامہ قتل حسینا

شفاعة جده يوم الحساب

وہ لوگ جنہوں نے امام حسین علیہ السلام کے خون سے ہاتھ رنگے ہیں وہ بھی یہ امید کر سکتے ہیں کہ گری قیامت میں انہیں بھی شفاعتِ مصطفیٰ ملے گی۔

سوائے پروردگار کی پونٹار کے انہیں کچھ ملنے والا نہیں۔ جس گرجا سے یہ پتھر برآمد ہوا یہ نبی پاک ﷺ کی بعثت سے ساڑھے تین سو برس پہلے تعمیر ہوا تھا۔ تو معلوم ہوا کہ اس واقعہ کی المنا کی ہی داستانیں عالم اسلام میں ہی نہیں بلکہ پہلے سے دنیائے کفر کے سرخونوں کے پاس بھی چھوڑی ہوئی تھیں، تاکہ وقت آنے پر لوگوں کو پتا چلے کہ یہ آج کا واقعہ نہیں۔ اس کی المنا کی سے ماضی بھی متاثر ہوا ہے، حال بھی متاثر ہوا ہے اور مستقبل بھی متاثر ہوتا رہے گا۔

انصر والا زدیہ موقع کی ایک گواہ ہے۔

جو لوگ پوچھتے ہیں واقعات کر بلا کا راوی کون ہے؟

ان سے پوچھو نبی پاک ﷺ کے گدھے مبارک کا راوی کون ہے؟

نبی پاک ﷺ کے وہ یاران با وفا ہیں جو سرکار ﷺ کا عشق رکھتے ہیں۔

گدھے کا تعلق کیا ہے؟ تعلق یہ ہے کہ سرکار ﷺ اس پہ سوار ہوئے ہیں اور سرکار ﷺ کی سواری کا ریکارڈ محفوظ ہے۔

حسین علیہ السلام تو دوشِ رسول اللہ ﷺ کا شہسوار ہے اس کے ریکارڈ کے بارے میں کیوں بحث ہے؟

امام باقری، ابو نعیم نے لکھا ہے کہ نضر کہتی ہیں:

لما قتل الحسين بن علي امطرت السماء دما فاصبحنا وجباينا وجوارنا مملوءة دما (الصواعق المحرقة ص: ۱۹۳)

آسمان سے خون برسا۔

کچھ لوگ کہتے ہیں فلاں مولوی صاحب نے تقریر کی کہ آسمان سے خون برسا یہ قصہ جوڑا ہے۔

امام عالی مقام کی شہادت کا واقعہ کسی کے قصہ جوڑنے کا محتاج ہے ہی نہیں، اگر سارے نبی یہ ذکر کرنا چھوڑ دیں تو پھر بھی امام عالی مقام کا ذکر ہوتا رہے گا۔ اس واقعہ کا ذکر تو کافروں نے بھی کیا ہے۔ مثال کے طور پر ایک دشمن اسلام نے کہا:

Nobody compared with imam Husain in punctuality, irregularity, stability.

کافر کہتا ہے امام حسین علیہ السلام کے ساتھ کسی کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا، کسی کو نہیں تو لا جا سکتا، وقت کی پابندی میں، یعنی جو آپ نے پروگرام بنایا ہوا تھا ہزاروں تکنیوں نے راستہ روکا لیکن واہ حسین علیہ السلام وقت پر تم نے پہنچنے کے دکھلایا۔ دشمنوں کی صفیں لگ رہی ہیں۔ 72۔ ساتھی رہ گئے ہیں، باقی میدان چھوڑ گئے ہیں اور 25۔ ہزار کا مقابلہ ہے۔ کہا تم میدان چھوڑ سکتے ہو تمہارے باپ داوے چھوڑتے چلے آئے، مگر میں علی کا بیٹا ہوں، بتاؤ علی نے کبھی میدان چھوڑا ہو؟

اہل نظر کی آنکھ کا تارا علی علی

اہل وفا کے دل کا سہارا علی علی

اس غیر مسلم نے کہا کہ وقت کی پابندی میں بھی امام حسین علیہ السلام کے جوڑ کا کوئی نہیں۔ regularity اپنے کام کی باقاعدگی میں۔ وقت نماز آگیا، سر کٹا جا رہا ہے لیکن آخری سجدہ کر گئے۔ جو آدمی اتنی تکنیوں سے گزر رہا ہو وہ regular نہیں رہتا۔ آج صرف میں سرور ہونے لگے، تم کہتے ہیں آج نماز نہیں پڑھو، کامر کو رو رہا تھا۔

واہ حسین علیہ السلام سر اڑ رہا ہے، تو وقت کا بڑا پابند ہے۔ جس کو فرض شناس کہتے ہو، ضرہ کہتی ہیں: صبح جس وقت ہم جاگے، جس گھر سے ہم پانی ڈالنا چاہتے ہیں اس میں خون۔ جس برتن کو جا کے چیک کرتے ہیں اس سے خون، جس چیز کو ہم اٹھتے ہیں، تنہوؤں میں خون، تنہوؤں کے اوپر خون، تنہوؤں کے نیچے خون۔ اس میں ہے کوئی مبالغہ؟ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے والے ہیں۔ اس موقع پر سورج کو بھی گر بن لگا۔

اعتراض ہوتا ہے کہ سورج اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ کسی کے مرنے جیسے پر اس کو گر بن نہیں لگتا۔ بخاری میں حدیث ہے کہ سورج اور چاند، یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ کسی کے مرنے جیسے پر غم زدہ ہو کر کے ان کو گر بن نہیں لگتا اور نہ ہی موسیٰ تبدیل ہوتی ہے۔ یہ بخاری میں ہے اور صحیح ہے۔

لیکن بخاری جلد دوم ص: ۹۱۵ میں مغیرہ ابن شعبہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا ”جس دن میرے بیٹے ابراہیم علیہ السلام نے وفات پائی اس دن سورج کو گر بن لگا۔“

معنی یہ ٹھیک ہے کہ ہر کس دن کسی کی بات پر اتنی بڑی تہدیلی نہیں آتی، ہاں جب مجھے کوئی چوٹ لگے تو سورج کو گر بن لگتا ہے۔ جس وقت اولاد رسول اللہ ﷺ کے متعلق کوئی بات ہو تو آسانی سے کہہ دیتے ہیں کہ یہ من گھڑت بات ہے۔ واقعات کر بلا کے متعلق کہ یہ من گھڑت بات ہے، کم از کم یہ بات کہتے ہوئے نبی پاک ﷺ کو چوٹ لگتی ہے۔ کتنی بددیانتی کی بات ہے۔

بخاری میں موجود ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے لئے گر بن لگا ابراہیم علیہ السلام کون ہیں؟ نبی پاک ﷺ کے بیٹے جن کو امام حسین علیہ السلام پر قربان کیا۔ جن کو قربان کیا ان کی وفات پر تو سورج گر بن لگا اور جس کے لئے قربان کیا اس کی وفات پر گر بن لگے تو کیوں تعجب کی بات ہے؟

(۳)

### حیات بعد از موت

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اپنی ملفوظات شریف کے اندر لکھتے ہیں۔ اولیاء اللہ کے بارے میں Meeting منعقد ہوتی ہے، اگر حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا اس کی approval (اجازت) نہ دیں تو ولایت نہیں ملتی۔

تو معلوم ہوا کہ اہل بیت کا احترام نہ کر سکتے والا ولی نہیں بن سکا۔ آپ کو معلوم ہو یہ میری اولاد کو گھٹیا سمجھتا ہے آپ ولی بنانے پر ہوں تو آپ پسند کریں گے کہ میری اولاد کو گھٹیا سمجھنے والا بھی ولی ہو اور اولاد بھی ایسی جس کا سر نیزے پر چڑھا ہوا ہے اور قرآن پڑھ رہا ہے، ایسی اولاد کے متعلق اگر کوئی حقیر رائے رکھتا ہے تو کیا پھر وہ ماں پسند کرے گی کہ اس کو ولی بناؤ؟

اس لئے زندگی میں ولیوں میں کوئی آدمی ایسا نہیں دیکھا جو اہل بیت سے پوری پوری محبت نہ کرنا ہو۔ میاں صاحب عارف کھڑی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

آل اولاد تیری دستگاہ میں کمال زبانی

پاؤ خیر محمد تا کیں صدقہ شاہ جیلانی

حضرت میاں عارف کھڑی رحمۃ اللہ علیہ دنیائے روح میں بڑی قدر و شخصیت کا نام ہے۔ ان کو شاعر سمجھ کے پڑھنا درست بات نہیں۔

وہ ایک عارف ہیں، شاعر اور عارف میں اہل علم نے ایک فرق لکھا ہے۔

شاعر اپنے شعور کا ترجمہ کرتا ہے۔ شاعر نے جو بات سوچی ہے، وہ غلط ہو، ہو سکتا ہے، درست ہو، لیکن عارف اپنے مشاہدے کا ترجمہ کرتا ہے۔ جس نے کچھ دیکھ لیا ہو تو دیکھا ہو، کیسے غلط ہو۔ اسی لئے عارف کے کلام میں جو واقعیت ہوتی ہے وہ شاعر کے کلام میں نہیں ہوتی۔ میاں عارف کھڑی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو شاعر کا کلام نہیں سمجھتا بلکہ ایک عارف کا کلام سمجھتا ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے شہید ہو کر باتیں کی ہیں۔ اس کو عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی۔

لیکن یہ بات ثابت ہے کہ مرنے کے بعد باتیں ہوتی ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۹۱۱ھ نے (شروح الصدور فی احوال موتی والقبور) میں بڑے خوبصورت پیرائے میں ایک بات ذکر کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ”مرنے کے بعد کافر بھی زندہ رہتا ہے، مومن بھی زندہ رہتا ہے“ کافر کے زندہ رہنے کے کیا معنی؟ فرماتے ہیں اگر کافر ختم ہو جاتا ہے تو عذاب کس کو ہوتا ہے۔ معلوم ہوا مومن ثواب کے لئے زندہ رہتا ہے اور کافر عذاب کے لئے زندہ رہتا ہے۔

مکروہوں کی ”حیات بعد الموت“ میں فرق کیا ہے؟ کہنے کو تو دنیا کی زندگی میں رام رام کرنے والا بھی کہتا ہے میں حق پر ہوں۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتا ہے وہ بھی کہتا ہے میں حق پر ہوں۔ جو حضرت عزیز علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتا ہے وہ بھی کہتا ہے میں حق پر ہوں۔ جو بت کی پوجا کرتا ہے وہ بھی کہتا ہے میں حق پر ہوں۔

مومن کہتا ہے ”مرنے دے، مرنے کے بعد اگر تو جیتا رہا تو حق پر ہے، لیکن اگر مرنے کے بعد میں جیتا رہا تو میں حق پر ہوں۔“

نام فقیر انہاں دا پاہو  
قبر جہاں دی جیوے ہو

مرنے کے بعد جیتا کس معنی میں؟

آپ نے کبھی دیکھا ہے کہ آج تک کسی بڑے سے بڑے ہندو کی قبر پر کوئی مسلمان گیا ہو؟ نہیں گیا۔ لیکن حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں ہندو ہاتھ جوڑ کے کھڑا ہے۔

اے خنی ابن خنی تو خواجہ اجیر ہے  
پھر تیرے دربار میں میرے لئے کیوں دیر ہے

Constitutional History (آئینی تاریخ) میں لارڈ کرزن (وائسرائے ہندوستان) کے متعلق لکھا ہوا ہے۔ اس نے کہا:

I made my tour all over India but I came to conclusion that the person who is lying in this shrine is the real king of this country.

کہتا ہے سارے ملک کا دورہ کیا ہے مگر اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس ملک کا اصل شہنشاہ اور فرماں روا اس قبر میں لیٹا ہوا ہے، یعنی ایک طرف ہندو کہہ رہا ہے اور ایک طرف اس ملک کا وائسرائے ہے۔ اگر کوئی بڑا نظام حکومت کسی چھوٹے نظام حکومت کو اپنے اندر absorb (شامل) کر لے اور اس کی تمام حقائق و ذمہ داریوں کا نام لے کے، اس کو لوٹ کے کھا جائے Protection (حفاظت) کے نام سے، تو وہ اس کا Protectorate کہلاتا ہے۔

لارڈ کرزن ایک ظالم ترین انسان تھا جس کی تاریخ زندگی سیاہیوں سے بھری ہوئی ہے۔ وہ آدمی حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر کھڑا ہو کر، زبان حال سے اس ہندو کے ساتھ مل کے کہتا ہے۔

اے خنی ابن خنی تو خواجہ اجیر ہے  
پھر تیرے دربار میں میرے لئے کیوں دیر ہے

تو دراصل مرنے کے بعد زندہ رہنے کے یہ معنی ہیں۔ جس معنی میں کافر زندہ ہے وہ زندگی نہیں کہلا سکتی۔ جس معنی میں مومن زندہ ہے اس معنی میں زندگی، زندگی ہے۔

اور اس کے اندر ایک بڑا شاندار مضمون ہے کہ اگر قیامت کا دن Judgment (فیصلے) کا دن ہے تو جس طرح عدالتوں میں مقدمات چلائے جاتے ہیں اسی طرح مارنے کے بغیر بھی تو قیامت قائم کی جاسکتی ہے۔ اگر کیس ہی Decide (حل) کرنے ہیں تو مارنے کے بغیر قیامت قائم کی جاسکتی ہے۔ آدمی کو ایک نتیجہ پر پہنچا کر کہاب اس کا نام اعمال نکالو۔ فلاں مبینے کی فلاں تاریخ کو قیامت آرہی ہے۔ مارنے

کے بغیر بھی قیامت کی date declare ہو سکتی ہے۔

مارنے کی پھر کیا غلا سنی ہے؟

مارنا بھی ایک مددگار شے ہے، اگر آدمی کو یہ نہ معلوم ہو سکے کہ حق پر کون ہے، تو وہ جو دوا آپس میں حق و باطل پر لڑ رہے تھے۔ ہندو کہتا ہے میں حق پر ہوں، مسلمان کہتا ہے میں حق پر ہوں۔  
کہا مرنے و قہر بتائے گی۔

نام فقیر انہاں دا باہو  
قبر جہاں دی جیوے ہو

پھر اس بارے میں نبی پاک ﷺ کا ایک Representative (نمائندہ) جس نے اصل زندگی نبی پاک ﷺ کی گود سے پائی تھی۔ اس نے کہا کہ قبر میں چپ رہ کر اس فرض کو ادا کرنے کی قیمت اور ہے۔ آؤ! کیوں نہ میں نیزے پر چڑھ کر اس کا اعلان کروں۔ منبر پر اعلان نہیں کرتا نیزے پر چڑھ کے اس کا اعلان کرتا ہوں۔  
تم کہتے ہو جو مر جائے وہ مٹ جاتا ہے۔

اگر امام حسین علیہ السلام کی طرح ہے تو سر نیزے پر چڑھا ہوا ہو تو:

عشق کہے میں ہیرے تیرے دج بازاراں تولوں گا  
پر عاشق آکھے پورا تولیں گھٹ تولیں تاں بولوں گا  
یہ ہے عاشق کی گری عشق و محبت!

حضرت نبی کریم ﷺ کی جو آج تک تعلیمات ملتی ہیں اور جنہوں نے یہ بتلایا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے کس زندگی کی تعلیم دی ہے۔ وہ نبی پاک ﷺ کی تعلیم کا جو خاکہ ہے وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی زندگی سے ملتا ہے۔  
اگر آپ یہ سمجھنا چاہیں کہ وہ زندگی کیا ہوتی ہے اور اس زندگی کو کس طرح سمجھنا چاہئے؟  
اور وہ امام حسین علیہ السلام سے کس طرح ملتی ہے؟

جس وقت انسانیت اس نتیجہ پر پہنچی کہ اب میں کچھ نہیں کر سکتی۔ اس وقت عاشق لوگوں نے کہا کہ وہ عشق والی چنگاری مہیا کر۔ اگر بلال رضی اللہ عنہ جیسا آدمی کے شریف کا تختہ الٹنے میں کروادرا نہ کرے تو قانون کوئی قانون نہ ہوا۔ اس انقلاب میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا بڑا حصہ ہے۔ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے آگ کے انکار سے بنا کے گرم مٹی پر، پتھر گرم ہوا ہے وہ ان کی چھاتی پر رکھ کے ان کو کہتے ہیں اب محبوب کبریا ﷺ کے عشق سے باز آئے گا کہ نہیں آئے گا۔

عشق کہے میں ہیرے تیرے دج بازاراں تولوں گا  
پر عاشق آکھے پورا تولیں گھٹ تولیں تاں بولوں گا  
ان عاشقوں کی یہ شوقی رفتار چلتے چلتے قیامت کے میدان میں پہنچ گئی۔

امام بیہقی (المتوفی ۴۵۸ھ) اپنی کتاب (سنن کبریٰ) میں فرماتے ہیں جس وقت مہبان حق اللہ کے حضور میں پیش کئے جائیں گے تو اللہ کے گاہان کو جنت میں لے جاؤ۔ عرض کریں گے مولا کریم! تیرے نظام مہدلت پر قربان، تیرے قانون انصاف پر قربان، جو تیرا Court of justice (نظام عدالت) ہے اس کے فیصلے مسلمات میں سے ہیں، لیکن ہمیں عشق و محبت کی Training کرائی گئی ہے۔ ہم عشق و محبت کے گوریلے ہیں۔ گری قیامت میں کہیں گے:

عشق کہے میں ہیرے تیرے دج بازاراں تولوں گا  
پر عاشق آکھے پورا تولیں گھٹ تولیں تاں بولوں گا  
دب کہے کا جنہیں جنت میں جانا چاہئے۔ تمہارے جیسے آدمیوں کے لئے میں نے جنت تیار کی ہوئی ہے۔

وہ کہیں گے مولا کریم! ہم نے اپنے دونوں کو جنت کے لئے تیار نہیں کیا۔ آج ہمیں روز میں ڈال، ہماری طلب تیرا دیدار ہے۔ اپنے دیدار سے ہمیں محروم نہ کر۔ اگر تیرا دیدار روزِ آخر کے شعلوں میں کھڑا ہو کر میسر آتا ہے۔ پھر ہمیں پتا چلے کہ ہم جل رہے ہیں۔ نف ہے ہماری محبت کو۔  
اب جنت میں بھیجنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا:

جنت و دوزخ کو یاد کرو کیا کروں  
اجتا ہے میں تجھے دیکھا کروں

اب معلوم ہوا کہ عاشق کی qualification (المیت) کیا ہے؟  
عاشق جتنے آزار سہہ سکے، جتنے دکھ سکھ سہہ سکے، اس کی Promotion (ترقی) ہو جاتی ہے۔  
پھر امام حسین کی Promotion کا اندازہ کیجئے!  
صرف شہید ہو جاتے اس کی قیمت اور تھی۔

شہید ہو کے آپ کی لاش مبارک کو بے وارث چھوڑ دیا جاتا اس کی قیمت اور تھی۔  
آپ کی لاش کو بے وارث چھوڑنے کے بجائے آپ کے خاندان کے لوگوں کو وہاں سے انکھار کے قیدی بنا لیا جاتا اس کی قیمت اور تھی۔  
آپ کی لاش مبارک پر صرف گھوڑے دوڑائے جاتے اس کی قیمت اور تھی۔

خاندان کو بھی تباہ و برباد کر دیا گیا۔ خیمے بھی جلادیں گئے اور جوان بچے بھی شہید کر دیئے گئے، معصوم بچے بھی شہید کر دیئے گئے اور خیموں کو آگ لگا دی گئی۔ خواتین کو بھی قیدی بنا دیا گیا۔ اس کے بعد جب سر نیزے پر چڑھا تو پھر بولا:

عشق کہے میں ہیرے تیرے وہی بازاراں تو لاں گا  
پر عاشق آکھے پورا تو لیں گھٹ تو لیں تاں پولاں گا

جن کی زبان میں اتنی قوت تھی کہ بات کریں تو کچھ کا کچھ ہو جائے۔ انہوں نے اس موقع پر کوئی ایسا جملہ نہ بولا جو دعائے ضرر کے معنی دیتا ہو۔ (اہل حق کہتے ہیں جو اہل اللہ کی زبان پر کسی کی ضرر کے لئے دعا آئے اسے بد دعا کہنا مناسب نہیں ہوتا، اسے دعائے ضرر کہنا چاہئے)  
حنضور نبی کریم ﷺ کا کردار حضرت امام حسین علیہ السلام کے سامنے ہے۔ جس وقت حضور ﷺ کو پتھر مارے گئے زخمی ہوئے۔ اس وقت صحابی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں: یا رسول اللہ ﷺ دعا فرمائیے، خدا ان کو تباہ و برباد کر دے۔ فرمایا:

اللهم اهد قومی فانہم لا یعلمون

”مولا کریم! یہ مجھے پہچانتے نہیں ہیں ان کو چشم بصیرت عطا فرما“

اگر ان کو پتا ہو کہ میں کون ہوں تو پھر یہ میرے ساتھ اتنی زیادتی کیوں کریں؟ اگر پہچان جائیں تو میرے قدموں سے ان کے سر نہ اٹھیں۔  
امام حسین علیہ السلام نے یہ سارے دکھ اٹھائے لیکن یہ سارے دکھ اٹھانے کے باوجود ان تکلیفوں کے بدلے میں حضرت امام حسین علیہ السلام نے یہ نہیں کہا مولا کریم ان کو تباہ فرما۔ فرمایا میرے نانا کی سنت ہے دکھ سہنے پر افس نہ کرنا۔ میدان کربلا میں روانگی سے پہلے آپ ایک مرتبہ مدینہ طیبہ کی طرف مڑ کر دیکھتے ہیں۔

درد دل اٹھ اٹھ کے کس کا راستہ نکلتا ہے تو  
پوچھنے والا مریض بے کسی کا کون ہے؟

اس وقت مدینہ یاد آیا

کیسا وہ حسین منظر ہوا ہوگا جناب سیدہ فاطمہ علیہا السلام کہتی ہیں، حسین امدینہ شریف کی طرف کیوں دیکھ رہے ہو؟ انہوں نے کہا کچھ کہنے کی باتیں ہیں لیکن تجھ سے نہیں کہہ سکتا۔ انہوں نے کہا پھر میرے جیسا راز دان کہاں پاؤ گے؟ جو خرابات کرتی ہے مجھ سے کر ڈالو۔  
امام حسین علیہ السلام کہنے لگے: جب میں مدینہ طیبہ سے چلا تھا اس وقت میں اپنی اماں جان اور اپنے نانا جان کے مزارات پر حاضر ہوا تھا اور مجھے وہ منظر یاد آیا جب میں سرکار ﷺ کی گود میں تھا سرکار ﷺ مجھے پیار فرما رہے تھے اور حسن علیہ السلام کے متعلق فرما رہے تھے: ان ابسی  
ہذا سید و لعل اللہ ان یصلح بہ بین فتنین عظیمین المسلمین (بخاری جلد اول، ص: ۳۷۳) ”بے شک یہ میرا بیٹا سید ہے،  
بقینا اللہ تعالیٰ اس کو اس قابل بنائے گا کہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا“

جہاں لعل خدا اور اس کے رسول کی طرف منسوب ہو، ترجی (امید) کے لئے نہیں ہوتا ممکن (ثبوت) کے لئے ہوتا ہے

حسن علیہ السلام کے لئے تو اتنا مناسب فیصلہ کہ وہ دو کے درمیان صلح کرائے گا، سرخرو ہو جائے گا اور حسین علیہ السلام کے لئے سر نیزے پر چڑھنے کی بات آگئی، تو پھر حسین علیہ السلام کو ڈٹ جانے کے بارے میں بھی اور پھر ڈٹنے کے بعد بھی اگر اس دشمن میں کوئی فرق لانے کہ جس دشمن کو لے کے مدینہ سے چلوں، تو پھر بھی میں بولوں چپ نہ رہوں۔

اے میرے نانا جان! آپ کے فیصلوں پر قربان۔ امام حسن علیہ السلام تو دو جماعتوں کے درمیان فیصلہ کر کے فارغ ہو گئے اور میں اپنے سر کا فیصلہ کر کے بھی فارغ نہیں ہوں گا، مجھے وہ منظر یاد آیا۔

اے بہن! مجھے مدینہ کی فضا یاد آتی ہے۔ مجھے اپنی ماں کا وہ درد پس یاد آیا ہے۔ اپنی اماں کا وہ پیار یاد آیا ہے اور جب مدینہ سے میں چلا تھا تو مجھے افسوس رہ گیا کہ میں جی بھر کے اپنی اماں کی قبر سے لپٹ کر روٹیں۔ کا۔ میں نے چلتے وقت اپنی اماں کی بارگاہ میں یہ درخواست کی تھی، اے اماں تیرا پردیسی حسین علیہ السلام اب مدینہ سے ہمیشہ کے لئے جا رہا ہے۔ اب مدینہ طیبہ میں میری واپسی کئے ہوئے سر کی صورت میں ممکن ہوگی۔ اب جیتا جاگتا حسین علیہ السلام پھر وہ بارہ ٹہلے ٹہلے آئے گا۔ اماں ایک مرتبہ اٹھ کے گلے لگ، مجھے پیار سے روانہ کر۔

تو اماں کا مزار زبان حال سے کہتا ہے: اے امام حسین! اگر تم واپس نہیں آؤ گے تو قیامت تک سر راہ میں تیرا انتظار کروں گی۔

نئی پاک ﷺ کی بارگاہ سے بیعت شریف کے پاس سے جو راستہ گزرتا ہے یہ پرانے بدوؤں کے زمانے کا راستہ ہے، مدینہ شریف سے مکہ شریف کو یہی راستہ جاتا ہے۔ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کا مزار اس کے راستے کے کنارے پر تھا

میں نے امام حسن علیہ السلام کے مزار سے لپٹ کر کہا تھا ابوہیسا! کوئی ایسا میدان بتلاؤ تم میدان میں گئے ہو اور حسین علیہ السلام حیرے ساتھ نہ گیا ہو۔ آج تو بھی نہیں ہے، میرا بہادر باپ بھی نہیں ہے، کائنات میں جس کی تلواری کاٹ کی داستا نہیں ہیں، جس کی قوت و شجاعت کی داستا نہیں ہیں۔ آج اباجان بھی نہیں ہیں اور آپ بھی نہیں ہیں۔ آج ایک مرتبہ بڑا زونے کی حیثیت سے میری پشت پر تھکی تو دستہ دو، یہ کہہ کر مجھے اللہ کے حوالے کر دو، کہ حسین علیہ السلام تمہاری بے کسی پر رب رحم کرے، مجھے اتفاقاً کہہ دو، یہ میرے خاندان کی خواتین، میرے خاندان کے معصوم بچے، میرے ساتھ جا رہے ہیں۔ یہ باتیں کہہ کے میں مدینہ شریف سے رخصت ہوا تھا اور وہ باتیں بھی مجھے یاد آتی ہیں کہ میں نے کہا تھا آج ستائیسویں رجب ہے، میں مدینہ شریف سے جا رہا ہوں۔

کبھی ستائیسویں رجب کو شہنشاہِ خوباں جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی کئی فضاؤں کو چیرتے ہوئے لامکاں کی طرف سدھارے تھے، وہ 27 رجب کو اس مشن پر نکلے تھے اور اس آج ستائیسویں رجب کو سرینیزے پر چڑھانے کو نکلا ہوں، لیکن سرکار ﷺ کے آنے میں بھی برکت ہوئی، جانے میں بھی برکت ہوئی۔ راستے میں بھی کوئی ضرر نہیں پہنچا۔ جاتے وقت اور لے جاتے وقت جبرئیل کی ڈیوٹی تھی، مینا بیکل، اسرافیل، عزرائیل کی ڈیوٹی تھی، 70 ہزار ملائکہ بطور گارڈ کے تھے۔ آج حسن علیہ السلام مجھ کو یہ بتلا میری حفاظت کے لئے کون جائے گا؟ تمہیں پتا ہے کہ جنگ نہروان، جنگ عشین، جنگ جمل میں، میں تمہارے ساتھ تھا اور تلواریں مارنے میں کوئی کسر چھوڑی؟ او حسن علیہ السلام میری بات کرو، بھائیوں کی جوڑیاں میدانوں میں کام آیا کرتی ہیں۔

میاں صاحب عارف کھری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

بھائیاں باجی محمد اکٹھ خالی  
کلے بچے دی مائی کے مان کر سی

بھائی، میدان کی گرمی میں کام آنے والی چیز ہے۔

حضرت سیدہ زینب علیہا السلام سے ان لمحات کا ذکر کرتے ہیں کہ مدینہ شریف سے چلتے وقت اپنی والدہ کی قبر سے میری کیا بات ہوئی تھی اور حضرت امام حسن علیہ السلام کے ساتھ کیا بات ہوئی تھی؟ اس وقت حضرت سیدہ زینب علیہا السلام کہتی ہیں: علی علیہ السلام کا بیٹا، دو کے اتنی دل کو زہ مانے والی بات نہ کرو۔ اس وقت جلال میں آگے فرمایا "اے زینب! یہ باتیں پیار والوں کے ساتھ پیار کے انداز میں کی جا رہی ہیں، جہاں تک میری ہستی کا سوال ہے اب میدان کی طرف چلنے لگا ہوں، فرمایا:

انسا ابن علی الحبر من آل ہاشمی  
کفانی یہذا مفصراً حین الفخر

یہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا رزمیہ ہے۔

عرب لوگ بہادر اور دلیر قوم تھے۔ لڑنا، مرنا، لکنا جانتے تھے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے عربوں کے اس دستور کے مطابق فرمایا کہ جب وقت آ پڑے تو پھر دلیری کے ساتھ میدان کی طرف بڑھنا۔

کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ شان اہل بیت میں مبالغہ کرتے ہیں (مبالغہ آخری سرحد کو پار کر کے اٹھلی بات کہنا) یعنی محبت اہل بیت اور فضائل اہل بیت کی سرحد سے آگے بڑھ کے باتیں کرتے ہیں۔ سرحد پھا چل گئی ہے کہ اس کو پار کرتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل کو تو آپ کمزور آدمی نہیں سمجھ سکتے، امام بخاری کی فاضل ایجوکیشن امام احمد بن حنبل سے ہے، تو پھر یہ ایک مرتبہ معتبر ہے تو وہ دوسرے معتبر ہیں۔ امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی کریم ﷺ کو میں نے دو پہر کے وقت دیکھا نبی کریم ﷺ کی زلفیں بکھری ہوئی ہیں اور گردن پڑی ہوئی ہے۔ حضور ﷺ کے ہاتھ میں ایک شیشی ہے اس کے اندر خون پڑا ہوا ہے، میں نے پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ یہ بتائیں کہ یہ شیشی کیسی ہے۔ سرکار ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ”یہ حسین علیہ السلام کا خون ہے۔ اس کے ساتھیوں کا خون ہے۔“

واہ یا راس خون کی نفی بڑی قیمت ہے، مگر ہاؤ کر بلا میں اور اٹھانے والا آرہا ہو مدینہ طیبہ سے فرماتے ہیں: میں اسے اٹھاتا چلا آیا ہوں۔ آج صبح سویرے سے، جب یہ جنگ شروع ہوئی، ان کے خون گرتے رہے میں اٹھاتا رہا۔ ان کے خون گرتے رہے میں اٹھاتا رہا۔

صحت لاکھوں میری پیاری غم پہ نثار

جسم اٹھے بارہا ان کی عیادت کے حے

اے پیارے اتو پیار پرسی کے لئے کبھی تشریف لائے، خدا کی قسم ساری زندگی دعا میں کروں کہ مولا کریم مجھے بیمار رکھو۔

حسین علیہ السلام زبان حال سے کہتے ہیں او پیارے محبوب اگر تو میرا خون اٹھانے کے لئے مدینہ طیبہ سے آئے تو میں پھر خون کو اتنی خوبصورتی سے پیش کروں گا سر نیزے پر چڑھ جائے گا لیکن حیرے دعا کو پھر دہراؤں گا۔

عشق کے میں ہیرے تیرے دج بازاراں تو لاں گا

پر عاشق آکھے پورا تو لیں گھٹ تو لیں تاں بولاں گا

مسند امام احمد بن حنبل نے لکھا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے ہاتھ میں وہ بوتل تھی جس میں خون حسین تھا۔ کیا اس میں کوئی مہالہ ہے؟

نقل کرنے والا امام بخاری کا استاد امام احمد بن حنبل، کتاب مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص: ۲۳۲- ص: ۲۸۳ دو جگہ یہ حدیث ہے۔ بات سچی ہے۔

جس وقت انہوں نے خواب میں دیکھا۔۔۔ خواب کی قیمت سمجھنا چاہیں گے؟

سرکار ﷺ نے فرمایا (من رانی فی المنام فقد رانی)

”جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے بھی دیکھا۔“

تو جس طرح بیداری میں سرکار ﷺ کا کہنا ہے اسی طرح خواب میں بھی سرکار ﷺ کا کہنا ہے۔ اب یہ سمجھ لو کہ جو سرکار ﷺ کے ہاتھ میں شیشی تھی وہ جگہ شیشی تھی، جو خون تھا وہ جگہ جگہ خون تھا۔ سرکار ﷺ کے چہرہ اقدس پر جو گرد پڑی ہوئی تھی وہ جگہ جگہ گرد تھی۔

نبی پاک ﷺ کا جسد اطہر مدینہ شریف میں ہے اور امام حسین علیہ السلام کی لاش مبارک کربلا شریف میں ہے اور ۱۲۰۰ میل کی دوری ہے، پہاڑ فلک بوس ہیں، سرکار ﷺ کا وہاں جانا ہوتا ہے کہ محبت کے رشتے ایسے ہیں کہ یہ دوریوں کو دور کر دیتے ہیں۔

رب چاڑے توڑ خستہاں توں اسی عشق دا دعویٰ کر بیٹھے

کسی بے پرواہ نوں دل دے کے اسی دید دا سودا کر بیٹھے

محبت کا رشتہ اتنا عظیم ہے کہ اتنی دوری پر جا پہنچتے۔

یہ مسئلے طے ہوئے کہ:

☆ مرنے کے بعد جہنا۔

☆ پھر دور قریب کی خبر دونا۔

سرکار ﷺ نے کون سی ٹرانسپورٹ استعمال کی ہے؟ تقریباً ۱۲۰۰ میل کی دوری طے ہوتے وقت کوئی ٹرانسپورٹ بھی چاہئے؟

یہ بات محیفدول پر لکھ لو، ایک مرتبہ آہ مارنے کا ڈھنگ سیکھو تو مدینہ والا دور نہیں ہے۔

جس وقت میدان احد میں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تھی تو سرکار ﷺ نے ان کا خون نہیں اٹھایا تھا، قریب تھے۔ اسی طرح حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت اسی موقع پر ہوئی تھی سرکار ﷺ نے خون اٹھایا تھا؟ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شخصیت ہیں جو مدینہ شریف کے پہلا شہر ہیں جو سورۃ یوسف کے مدینہ طیبہ میں گئے۔ وہ خوش نصیب آدمی ہیں جنہوں نے اہل مدینہ کے اندر سورۃ یوسف کے لباس

میں عشق و محبت کے ٹیکے لگائے تھے۔

آج کچھ لوگ قرآن پڑھتے ہیں تو فحش بڑھتی جاتی ہے۔

بعض بہ کثیراً ویبہدی بہ کثیراً (البقرہ۔ ۲۶)

کبھی نبی پاک ﷺ کے وہ ٹیچر بھی تھے کہ جس وقت وہ پڑھا کے فارغ ہوں سرکار ﷺ کی آمد، دو کہتے تھے۔

یا جانناں تماشا کن کہ در انبوا جاننازاں

بہد سامان رسوائی سر بازار می رقصم

کبھی محبت پر وہ وقت آتا ہے۔ بلے شاہ نے فرمایا:

تیرے عشق نچایا مینوں کر کے تھیا تھیا

مدینہ پاک والوں نے نبی پاک ﷺ کی آمد پر رقص کیا۔ گلیوں میں رقص کرنا عام کے لئے ممکن ہے، لیکن سر نیزے پر چڑھا ہوا ہو تو عشق و محبت کا منظر رقص کی شکل میں نہیں، بلکہ اپنے اعلان حق کی شکل میں دکھائے، یہ امام حسین علیہ السلام کا ہی حصہ ہے۔

اگر سرکار ﷺ نے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا خون نہیں چٹا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ وہ تھا جس کو مجھ سے محبت تھی۔ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ تھے جن کو مجھ سے محبت تھی، لیکن حسین علیہ السلام وہ تھا جس کے ساتھ مجھے محبت تھی۔ اب یہ ڈیوٹی امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی نہیں لگی کہ مر کے بھی اس مشن کا اعلان کرنا ہے جو مشن لے کے چلے گئے۔ کہا یہ تیری ڈیوٹی نہیں کیونکہ تم نے مجھ سے محبت کی تم نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ حسین علیہ السلام اب تیری ڈیوٹی مختلف ہے۔ امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کافی ہے کیونکہ وہ مجھ سے محبت کرنے والے ہیں، وہ اگر جان دے دیں تو انہوں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔

لیکن جس سے میں محبت کروں اس کی پوزیشن بالکل مختلف ہے۔ اے امام حسین علیہ السلام تجھے جان بھی دینا پڑے گی اور جان دینے کے بعد آن کو پھر سلامت رکھنا ہوگا۔

امام حسین علیہ السلام نے پھر اعلان کر دیا کہ:

عشق کہے میں بیرے تیرے دج بازاراں تو لاں گا

پر عاشق آکھے پورا تو لیں گھٹ تو لیں تاں بولاں گا

امام احمد بن حنبل نے یہ حدیث روایت کر کے یہ واضح کر دیا کہ دور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بھی یہ بات چٹا چل گئی تھی کہ خون حسین علیہ السلام کو سرکار ﷺ نے خود جمع کیا۔ ایک شہادت تو یہ ہے۔

دوسری شہادت امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، امام نسائی متوفی ۳۵۸ھ، امام ابویفیم متوفی ۴۲۰ھ، امام حاکم متوفی ۴۰۵ھ (صاحب مستدرک) کی یہ روایت ہے۔ حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے کربلا شریف والی منی مجھے ہی دی تھی اور فرمایا تھا تو اس کو بوتل میں رکھ لے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ "خصائص کبریٰ" جلد دوم، امام بیہقی کی (حسن کبریٰ) ان سب کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ سرکار ﷺ نے فرمایا کہ یہ شیشی رکھ لے اس کے اندر مٹی ہے، یہ کربلا شریف کی مٹی ہے، جس وقت یہ مٹی خون میں تبدیل ہو جائے اس وقت یہ کھنکا میرا حسین علیہ السلام شہید کروایا گیا ہے۔

اب اس پر میں استدلال کرتا ہوں کہ اس سے کتنی باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

1۔ معترض کہتا ہے کہ نبی پاک ﷺ کو پتا نہیں، لیکن مٹی کہتی ہے مجھے پتا ہے۔ نبی کو تو نبی ہو کر پتا ہو۔ مٹی سے پوچھتے ہیں کہ اے مٹی تجھے کیسے پتا چلا؟

نبی کریم ﷺ تو بچہ نبوت و رسالت کے یہ بات جانتے ہیں، کیونکہ نبی غیب کا علم جانتا ہے، مٹی کے بارے میں یہ عقیدہ دیکھتے ہیں۔

ثابت ہوتا ہے کہ تم تو کہتے ہو نبی ﷺ کو غیب کا پتا نہیں ہوتا۔

مٹی کہتی ہے کہ میں مٹی ہو کر نبی ﷺ کے ہاتھ چوم لوں تو مجھے بھی غیب کا علم ہو جاتا ہے۔ بدروالے واقعہ کے متعلق کسی کو اعتراض نہیں کہ بدر کے دن نبی پاک ﷺ نے مٹی (کنکر یاں) انصاف کے پتلی، مسئلہ یہ چل رہا ہے کہ مٹی غیب جانتی ہے کہ نہیں جانتی؟ عام مٹی ہو تو غیب نہیں جانتی۔

جب نبی پاک ﷺ نے دیکھا کہ بدر کا موقع، جھمسان کارن پڑ گیا ہے اور گردنیں رقص کرتی دکھائی دیتی ہیں، بدن پھڑکتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور خون کی ندیاں بہنے لگی ہیں اور مسلمانوں کا پلہ ہلکا دکھائی دے رہا ہے۔



سرکار ﷺ نے یہ واضح کیا علی تو نے تلوار ماری، تیری تلوار مبارک۔ حزن تو نے تلوار ماری تیری تلوار مبارک۔ لیکن تمہاری کامیابی کا اصل راز میں ہوں۔ وہاں سے غمی اٹھا کر ماری۔ نبی پاک ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سامنے لڑ رہے ہیں۔ ان کی پشت سرکار ﷺ کی طرف ہوئی، منہ کا فرکی طرف ہے۔ نبی پاک ﷺ کے ہاتھ کی جھٹکی ہوئی کنکریاں دشمن کا چھپچھا کرتی ہیں، سامنے کی طرف سے لگتی ہیں۔ سرکار ﷺ کے ہاتھ کی کنکریاں ادھر کے بجائے ادھر کا لگتی ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کا بال بیکا نہیں کیا اور کافروں میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑا سب کو فوجی کیا۔ اب اس کو تم بھی مانو میں بھی مانتا ہوں، جب مان گئے تو اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا، لیکن یہ بتلاؤ جب وہ کنکر یاں مومن کو چھوڑ کر کافر کو لگیں تو diffrentia (فصل) جو تمیز کرنے کی پادہ ہے کہ یہ بے ایمان ہے اور یہ ایمان دار ہے، کس کو کہتے ہیں؟ ایمان کسے کہتے ہیں یہ امور غیبیہ میں سے ہے۔

امام بیضاوی نے ”بیضاوی شریف“ ص: ۲۰ میں غیب کی تعریف یوں کی ہے:

لا يدركه الحس ولا يقتضيه بدهة العقل

جس کو عقل پہلی توجہ سے سمجھ نہ سکے، حواس اس کو محسوس نہ کر سکیں وہ غیب ہے۔

یعنی حواس غیب ظاہری اس کو محسوس نہ کر سکیں۔ اگر آنکھوں سے دیکھے تو نظر نہ آئے۔ کانوں سے سنے تو وہ سنائی نہ دے۔ ہاتھ سے چھوئے تو وہ چھوانہ جائے۔ زبان سے چھکے تو وہ چھکانہ جائے۔ ناک سے سونکھے تو وہ سونگھائی نہ دے۔ معلوم ہوا غیب کو اس غیب ظاہری معلوم نہیں کر سکتے۔ اور عقل کی پہلی توجہ سے مراد یہ ہے کہ آپ نے دھواں اٹھتے دیکھا تو آپ نے سمجھ لیا کہ اگر آگ نہ جلتی ہوتی تو دھواں کیسے ہوتا؟ اسی طرح ایمان کے متعلق عقل کی پہلی توجہ کام نہیں کرتی۔ ایمان اور بے ایمانی غیب ہوا۔ ایمان ایک امر غیبی ہے۔ جان وہ سکتا ہے جو غیب جانتا ہو۔

اب غی جب مارنے لگی تو حضرت حیدر کرار ﷺ کو نہ لگی مخالف کو جا کے لگی۔ حضرت امیر حمزہ ﷺ کو نہ لگی مخالف کو جا کے لگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہ لگی مخالف کو لگی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ بیمار تھیں اس لئے تشریف نہ لاسکے، لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نہ لگی۔ کوئی آگے ہو یا پیچھے کافروں کو چن چن کے مارا ہے، لیکن مومنوں میں سے کسی کا بھی بال بیکا نہ کیا۔

مٹی جواب دیتی ہے کہ تو تو کہتا ہے کہ نبی پاک ﷺ کو غیب کا علم نہیں، میں مٹی ہوں خود غیب نہیں جانتی تھی لیکن غیب والے کے ہاتھ چوم کے چلی ہوں، اب یہ مجھے بھی پتا ہے کہ ایمان دار کون ہے اور بے ایمان کون ہے۔

اسی طرح شیشی میں جو مٹی ہے یہ سرکار ﷺ کے ہاتھ کی ہے اگر یہ غیب جان گئی ہے تو یہ مانو کہ یہ بتاتی ہے اس سے سرکار ﷺ کے تعلق کا پتا چلتا ہے کہ واقعہ کر بار شریف میں جو رہا ہے اور مٹی خون بن گئی ہے۔ اس واقعہ کی المناکی کا کوئی مولانا ترجمہ کر سکتا ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ دو پہر کے وقت میں سرکار ﷺ کو دکھتی ہوں۔ جس کیس میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما جیسا آدمی اور نبی پاک ﷺ کی اہلیہ محترمہ ام المومنین رضی اللہ عنہا یہ دو گواہ پیش ہو جائیں بات چکی ہو جاتی ہے، کہ دو پہر کے وقت میں نے سرکار ﷺ کو غموم دیکھا بال بھی نکھرے ہوئے دیکھے۔

حسین علیہ السلام کی لاش پر گھوڑے دوڑ رہے ہیں، نبی پاک ﷺ اپنے بالوں کو کیسے سنواریں؟ نبی پاک ﷺ نے یہ بتلایا میرا حسین علیہ السلام شہید ہو رہا ہے، اس وقت میں سنگتیاں کر دوں یہ میری شان کے خلاف ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے سرکار ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ یہ شیشی آپ کے ہاتھ میں کیسی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: امام حسین علیہ السلام کی شہادت ہو گئی ہے، اس کا خون ہے۔

خصائص کبریٰ، منہ کبریٰ اور طبرانی کے اندر یہ روایات موجود ہیں جب یہ سب کتابیں تمہارے سامنے موجود ہیں تو پھر کیوں کہتے ہو مباہلہ کر رہے تھے؟

اس کا حق ادائی نہیں ہو سکتا مباہلہ کون کرے؟ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں سرکار ﷺ نے تفصیل بیان کی کہ اس طریقے سے اموات واقع ہو رہی ہیں، میری آنکھ کھل گئی۔

ظلم کینا ای ڈانڈا خالما دے

جھکا حیدری آن اجاڑیا ای

باواں کٹ حسین دے ویہ دیاں

علی اکبر دا لاشہ لٹاڑیا ای  
تیرے جور و جہا دی حد تک گئی  
سر حسین دا نیزے تے چاڑیا ای  
کھل گئے سید دے سینے دے زخم سارے  
جدوں تیر حلقوم وچ ماریاں ای

(کلام حضور شکر اسلام)

امام سیوطی لکھتے ہیں کہ جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ کھل گئی اور کیا دیکھا کہ نماز کا وقت ہے۔ نماز کے لئے کھڑی ہوئیں، اچانک اسی شیش پر نگاہ پڑی، تو شیش خون میں تبدیل ہوتی چلی جا رہی ہے۔ یہ دیکھ کر جناب سیدہ غم میں مبتلا ہو گئیں۔

جس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام مدینہ شریف سے چلنے لگے تھے تو آپ کی صاحبزادی سیدہ مصطفیٰ علیہا السلام نے کہا تھا، ابوبتی مجھے اکیلے چھوڑ کے جا رہے ہیں، میں کس طرح وقت گزاروں گی، اباجان کوئی تاریخ بتائیں کہ کب آئیں گے؟ فرماتے ہیں تاریخ کا کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن وعدہ کرتا ہوں آؤں گا۔ اب جس وقت حضرت سیدہ زہب علیہا السلام کنا ہوا سر لے کر محبوب کبریا ﷺ کی بارگاہ میں آئیں تو حضرت سیدہ مصطفیٰ پوچھنے لگیں۔ میرے ابائی کہاں ہیں؟ اس وقت اباجی کا سر مبارک چیش کیا گیا۔

امام حسین علیہ السلام وہاں زبان حال سے کہہ رہے تھے "اے مصطفیٰ علیہا السلام تیری جدائی میرے لئے سو معاف، اے حضرت سیدہ دو عالم ﷺ آپ کے غم سے میرے لئے لاکھ معاف۔ اے فاطمہ کبریٰ علیہا السلام آپ کی جدائی میرے لئے سو معاف، اے سیدہ فاطمہ الزہراء علیہا السلام تجھ سے جدا ہونا میرے لئے معاف۔ اے امام حسن علیہ السلام تجھ سے جدا ہونا میرا حاف اور میں کربلا کے سفروں کو طے کرنے کے بعد بیٹی تم سے میں وعدہ کر کے گیا تھا کہ میں آؤں گا، میں آؤں گا۔ اب جو باتیں میں نے کہہ دی تھیں میں مرتبہ گیا۔ سرکٹ بھی گیا مگر ان وعدوں پہ پورا اترا۔"

عشق کہے میں تیرے دج بازراں تو لاں گا  
پے عاشق آکھے پورا تو لیں گھٹ تو لیں تاں بولاں گا





# رپورٹ سالانہ جلسہ تقسیم اسناد

ادارہ تعلیمات اسلامیہ راولپنڈی

منعقدہ 27 دسمبر 2008 بروز ہفتہ

ڈاکٹر منظور حسین اختر

یہ 27- دسمبر 2008 کی فتح بستہ رات ہے، شاہ جی سے محبت کرنے والا ہر شخص راولپنڈی کے علاقے خیابان سیدی کی طرف کھینچا چلا آ رہا ہے۔ ملک کے کوئے کوئے سے اہل محبت مرکز محبت کی طرف بڑھ رہے ہیں، آن شاہ جی کے ادارہ تعلیمات اسلامیہ کا سالانہ اجتماع ہے، جسے سالانہ کانفرنس یا سالانہ جلسہ دستار فضیلت بھی کہتے ہیں۔ لیکن معاملہ صرف اتنا نہیں، بات تو محبت اور عقیدت کی ہے، جلسے تو ہر ادارے میں ہوتے ہیں۔ کانفرنس اداروں کا معمول ہے، لیکن یہ کون سی قوت ہے جس نے لوگوں کو ٹھنڈی رات اور دھند سے معمور فضا میں سفر کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ غور کرنے پر علم ہوا کہ یہ فقط شاہ جی کی اللہ سے محبت ہے اور اس کے بدلے میں وہ محبت جو اللہ نے لوگوں کے دلوں میں شاہ جی کے لئے پیدا کر دی ہے۔ یہ اسی کی کارستانی ہے۔ ابھی ایک ہفتہ پہلے شاہ جی کے بچا جان، یادگار اسلاف، پیکر خلوص و محبت، پیر سید عبدالمنان شاہ صاحب کا وصال ہوا۔ وہ لحاظ بھی بھلائے نہیں جاسکتے، ہر آنکھ اٹھتا اور ہر زبان سسکیوں سے معمور تھی۔ ہمارے سروں سے گویا ایک سایہ رخصت ہو رہا تھا، ڈرتھا کہ بچا جان کی رحلت سالانہ اجتماع میں اثر انداز نہ ہو، لیکن شاہ جی کے عزم مصمم اور خدمت دین کے جذبے نے ہم جیسے لوگوں کے اندر بھی جذبوں کو جنم دے دیا اور کر با کا سبق یاد دل دیا کہ اولاد اور گھر یا ر سب کچھ لٹ بھی جائے تو رسول اللہ کے مشن میں ذرا بھی سستی اور کاوٹ نہ آنے دی جائے، یہی جذبہ تھا کہ لوگ ایک ہفتے بعد پھر راولپنڈی کے لئے عازم سفر ہو رہے تھے۔

ادارہ تعلیمات اسلامیہ سے سال رواں میں فارغ ہونے والے علماء کی دستار بندی تو شاہ جی نے گزشتہ رات تہجد کے وقت ہی فرمادی تھی، شاہ جی کے اس فعل میں بھی بہت سی شکستیں اور اسباق پنہاں ہیں۔ رات کی عمیق گہرائیوں میں جو نور کی برسات اور قرب خداوندی کی نعمتیں چھپی ہوئی ہیں۔ وہ شب زندہ دار مسلمان ہی جان سکتا ہے۔ رات کی ان آخری گھڑیوں میں فارغ شدہ علماء کے لئے شاہ جی نے جو پر خلوص دعائیں کیں اس کا بدل کیا ہو سکتا ہے، میرے خیال میں اگر کوئی جلسہ منعقد نہ کیا جاتا تو ۱۲ اور کسی ترک و احتشام کا اہتمام نہ کیا جاتا تو پھر بھی سحری کی سحر انگیز دعائیں ان علماء کے لئے کافی ہوتیں۔ اس موقع پر شاہ جی نے فرمایا:

اللہ کی تعریف و تسبیح، حضور نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات پر بدیہ درود و سلام عرض کرنے کے بعد عزیزان محترم میری خواہش تھی کہ سرفارغ التحصیل لڑکوں کے ساتھ ملاقات کروں، ملاقات دوسرے وقت بھی کر سکتا تھا لیکن یہ وقت خاص اللہ کی معرفت، بندگی، قبولیت، استغفار، اس کے حضور حاضر ہونے، طلب، اور وارفتگی کا وقت ہے۔ چنانچہ چاہا کہ ان ساعتوں میں آپ سے ملاقات کر دوں۔ دیکھ رہا ہوں کہ چند عزیزوں کے اقرباء اور سرپرست بھی تشریف فرما ہیں، باقاعدہ باتیں تو اجلاس میں ہوں گی، چونکہ یہ لڑکے میرے پاس رہے ہیں اور بڑی مشکل اور جاکسل سی زندگی انہوں نے اختیار کی۔ جس کے ایک ایک لمحہ میں خطرات منزل سے بٹانے کے لئے برسرِ پیکار رہے یعنی شیطان۔ جو نہیں چاہتا کہ کوئی بندہ اللہ کی راہ میں اٹھے اور استقامت اختیار کرے لیکن اللہ کی مدد اور توفیق سے آپ اور میری زندگی کا مختصر حصہ دین کی خدمت کے لئے وقف، دوا، و تحریک جاری رہی۔

دراصل آپ میرے پاس رہے، مجھے سے پڑھے، اس دوران، ہو سکتا ہے میرے زیرِ عتاب بھی آئے ہوں تو دراصل میں آپ سے کسی بھی زیادتی پر معافی چاہتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ ہمارا معاملہ آخرت میں خراب ہو۔ آخرت کے تصور سے ہمارے اسلاف لرز جاتے تھے۔ دعا ہے کہ ہمارا معاملہ آخرت میں بہتری کے ساتھ جائے۔ آپ لوگوں نے میری خدمت کی اگر کوئی بہتری آئی تو اللہ کی طرف سے ہی آئی ہے۔ میں نے اس فیلڈ میں قدم رکھا تھا تو خدمت دین کے لئے نہ کہ تجارت کے لئے اور یہ مدرسہ فیکلٹی سمجھ کر نہیں بلکہ اللہ کی بندگی سمجھ کر کھولا تھا۔ خاصا عرصہ تک میرے پاس جو کچھ دوتا طلباء علموں پر خرچ کر دیتا، بڑا مشکل وقت بھی دیکھا ہے، اساتذہ کی تنخواہیں نہیں ہوتی تھیں، جب میں خود فارغ التحصیل ہوا تھا اور میرے سر پر دستار رکھی گئی تو میں اتنا خوش نہیں ہوا تھا اس لئے کہ میں نے اپنے آپ کو کبھی فارغ سمجھا ہی نہیں، آج بھی اللہ کے فضل سے کم از کم 200 صفحات روزانہ لازمی طور پر پڑھتا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ زندگی کی آخری سانس ہوتو بھی علم کے حصول کے لئے لگا رہوں۔ آپ سے یہی توقع ہے کہ دین سے منہ نہیں موڑیں گے۔ برملا کہتا ہوں کہ اگر آپ دین سے منہ موڑیں گے تو اللہ اپنی رحمتوں کو آپ سے موڑ لے گا۔ اس لئے کہ اللہ نہ آپ کا محتاج ہے نہ میرا محتاج ہے۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ اگر آپ ہماری دی گئی امانت کی حفاظت کریں گے تو انشاء اللہ آپ کا تھوڑا علم بھی بہت کام کرے گا، کیونکہ حقیقی علم اللہ دلوں میں اتارتا ہے۔

بلاشبہ مجھے ان بچوں کے سر پر غامد سجاتے ہوئے شرمندگی ہوگی جنہوں نے کورس تو مکمل کر لیا ہے لیکن داڑھیاں حضور کی سنت کے مطابق نہیں رکھ سکے۔ میں ان کے معاملے میں شرمندہ ہوں۔ بلاشبہ جس طرح بہت سے حیرت قیامت والے دن اپنے مریدوں کے معاملات میں شرمندہ ہوں گے، اسی طرح استادشگردوں کے معاملات میں شرمندہ ہوں گے۔ میرے نزدیک وہ بچہ بہت عظیم ہوگا جو اپنے مشن پر ڈا رہے گا، جنگ و دو کرتا رہے گا۔ اس کے ساتھ اللہ کا فضل ہوگا، حضور ﷺ کا کرم اور مجھ تو اس کی دعائیں ہوں گی۔ آپ کے اساتذہ کے لئے بھی

دعا گوہاں جنہوں نے بہت محنت کی اور میرا ہاتھ بنایا۔

یاد رکھیں کہ کسی درخت کی کوئی ٹہنی، شاخ، پھول، پتے اور ٹپاں، ستنے سے جدا کر اپنی زندگی قائم نہیں رکھ سکتے، اگر آپ اپنے مرکز سے وابستہ رہیں گے تو دنیا جہاں میں عزت ہوگی۔

گذرتی رات اور طلوع فجر کے نورانی لمحات میں جب اللہ تعالیٰ خود بندوں کو مالتے کی ترغیب دیتا ہے، ان قبولیت کے لمحات میں شاہ جی نے بڑے خلوص اور محبت سے فارغ ہونے والے علماء کے لئے دعا کی۔

”اے اللہ تعالیٰ! ان بچوں سے اپنے دین کا کام لے لے، مولا! اصل علم تو وہ ہے جو تودل میں ڈالے، یا اللہ! اپنی محبت میں فائز الہام رکھ، شاہ جی! اپنے اللہ سے مانگ رہے تھے کہ مولا! میں ان کو دنیا کی افسری کی بجائی نہیں باندھ رہا، ان کو وزارتوں کے قلعہ ان نہیں دے رہا، میں تو انہیں حیران راہ میں فقیری کی دستار دے رہا ہوں، مولا! اس میں عزت پیدا کر دے۔“

شاہ جی نے اپنے چچا جی حضرت جی سید عبدالمنان شاہ، ادارے کے اساتذہ، معادین، خدمتگاران اور تمام مسلمانوں کے لئے بھی خصوصی دعا کی۔

دعا کے بعد فارغ التحصیل ہونے والے ہر ایک عالم دین کے سر پر شاہ جی نے اپنے دست مبارک سے سیاہ عمامہ بچایا اور اس طرح تقسیم استاد و دستار فضیلت کی پہلی تقریب قرب خداوندی کی نورانی گھڑیوں میں اپنے انتہام کو پہنچی اور شرکاء نے نماز فجر کی تیاری شروع کر دی۔

تہجد کے وقت ہونے والی دستار بندی کے بعد 27۔ دسمبر ہفتہ اور اتوار کی درمیانی شب ادارہ میں تقسیم استاد کے حوالے سے ایک عالی شان عوامی اجتماع کا انتظام کیا گیا تھا۔ یہ اجتماع نہایت تزک و احتشام کے ساتھ منعقد کیا جا رہا تھا۔ یوں کہنے کے تہجد کی تقریب شاہ جی کے مصوفیانہ مزاج کا مظہر تھی اور رات کا یہ اجتماع شاہ جی کے عالمانہ وقار، شان و شوکت، حکمت اور عز و جاہ کا مظہر تھی۔ ادارہ کے مین گیٹ سے داخل ہوتے ہی بائیں جانب پارک میں ایک بہت بڑی سکرین آویزاں تھی جس پر کارروائی دکھانا مقصود تھی اور دائیں جانب اکیڈمی کے کشادہ گراؤنڈ میں وسیع و عریض کھانے کا انتظام تھا۔ بال کے مین گیٹ کے ساتھ ہی دائیں جانب ساؤنڈ سسٹم، ریکارڈنگ اور انٹرنیٹ کی ٹیمیں جناب طالب حسین مرزا کی زیر نگرانی اپنے فرائض کی بجا آوری کے لئے تیار بیٹھی تھیں۔ یہ اجتماع انٹرنیٹ کے ذریعے دنیا کے گوشے گوشے میں نور بانٹ رہا تھا اور شاہ جی سے محبت کرنے والے بیرون ممالک کے لوگ بھی انٹرنیٹ کے ذریعے اپنے آپ کو اس اجتماع میں شامل کئے ہوئے تھے۔ ادارہ کے مرکزی بال میں دائیں طرف ایک خوبصورت اور وسیع منبج ترتیب دیا گیا تھا، جس پر علماء و مشائخ تشریف فرما تھے۔ نماز عشاء کے فوراً بعد اجتماع کی کارروائی کا آغاز کر دیا گیا۔ حافظہ محمد زبیر نے منبج سیکرٹری کے فرائض سنبھالے ہوئے سب سے پہلے ذریعہ غازی خان سے تعلق رکھنے والے ادارہ کے طالب علم قاری محمد ظفر کو تلاوت قرآن کی دعوت دی، اس دوران شاہ جی منبج پر تشریف لے آئے۔ تمام حاضرین نے کھڑے ہو کر نعرہ تکبیر و رسالت بلند کر کے آپ کا والہانہ استقبال کیا۔ تلاوت کلام پاک کے بعد معروف نعت خواں جناب ظفر علی چشتی نے ”یا رسول اللہ“ اور ”نعتیں بانٹا جس مست وہ ویشان گیا“ نعت شریف پڑھ کر محفل پر ایک وحد کی کیفیت پیدا کر دی۔ نعت رسول مقبول کے بعد منبج سیکرٹری حافظہ محمد زبیر نے جماعت اہل سنت صوبہ سرحد کے ناظم اعلیٰ علامہ بشیر القادری کو دعوت خطاب دی۔

علامہ محمد بشیر القادری:

فضیلت علم پر نہایت دل انگیز کرتے ہوئے آپ نے سورہ آل عمران کی آیت شہد السہ انہ لا الہ الا هو والصلوات کو عنوان بنایا اور علامہ قرطبی کے حوالے سے کہا کہ یہ آیت اہل علم کی فضیلت بیان کرتی ہے، کیونکہ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ملائکہ اور اہل علم کا تحفہ ذکر فرمایا ہے پھر حضور کی احادیث بیان فرمائیں کہ ارشاد نبوی ہے کہ علم میرا ہتھیار ہے، علماء دنیا میں انبیاء کے خلفاء ہیں اور آخرت میں شہداء کے ساتھ ہوں گے، اسی طرح حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تمہیں نہ بتاؤں کہ سب سے زیادہ حق اور جواد کون ہے؟ پھر فرمایا، اللہ سب سے بڑا جواد ہے، پھر ادا آدم میں جس میں محمد ﷺ ہوں اور میرے بعد وہ جس نے علم سیکھا اور آگے پھیلایا۔ حضرت علیؑ کا قول نقل فرماتے ہوئے علامہ بشیر القادری نے کہا کہ مولائے کائنات حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خوبصورتی اور جمال اچھے کپڑے پہننے میں نہیں بلکہ علم و ادب میں ہے۔ اسی طرح یتیم وہ نہیں جس کا باپ فوت ہو جائے بلکہ اصل یتیم تو وہ شخص ہے جو عقل سے کورا ہو اور جس کو علم و حکمت سے کوئی واسطہ نہ ہو۔ علم نافع پر بات کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ ظاہری علم جب دل میں داخل ہو جائے تو علم نافع بن جاتا ہے اور یہ دولت کسی مرد کامل کی محبت میں بیٹھنے سے ہی نصیب ہوتی ہے۔ ادارہ تعلیمات اسلامیہ کے طلباء کو صاحبان فضیلت قرار دیتے ہوئے آپ نے کہا کہ یہاں طلباء کو علم باطن اور علم نافع سے مالا مال کیا جاتا ہے کیونکہ انہیں شاہ

جی جیسے مرد کمال کی صحبت میسر ہے آخر میں علامہ بشیر القادری نے اپنے منہ والوں کو ایک بہت قیمتی راز دیتے ہوئے کہا کہ اگر علم نافع حاصل کرنا چاہتے ہو تو کسی کے قدموں کی خاک بن جاؤ۔ یوں سمجھو کہ یہ جملہ ان کی ساری تقریر کا خلاصہ تھا۔۔۔ واقعی اگر کوئی اتنے قدموں والا مل جائے تو خاک بھی خاک شفاء بن جاتی ہے۔

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم  
تا غلام شمس تمہری نہ شد

علامہ بشیر القادری کی تقریر کے بعد شیخ سیکرٹری نے زینت القرآن جناب قاری محمد عبدالغفار نقشبندی کو تلاوت کی دعوت دی۔ قاری عبد الغفار نے اپنی خوبصورت آواز میں آیات قرآنی تلاوت کیں تو محفل ایک خاص کیف پرور ماحول میں داخل ہو گئی۔  
تقسیم اسناد کی یہ تقریب حقیقتاً نورانی پھولوں کا ایک حسین گلہ است اور مختلف نوری کرنوں کی ایک کھنکشاں ثابت ہو رہی تھی۔ بہت سے جلسہ ہائے تقسیم اسناد میں جانے کا اتفاق ہوا لیکن انیسویں صدی کے رواجی جلسوں میں ان طلباء اور اساتذہ کو تلاویں درجہ دے دیا جاتا ہے جن کے گرد یہ تقریبات گھومتی ہیں، لیکن شاہ تی کی حکمت اور حسن انتظام ملاحظہ ہو کہ اس تقریب میں 25 علماء کو اسناد دی گئیں اور نہ صرف ہر فارغ التحصیل عالم دین کو انفرادی عزت و وقار کے ساتھ شیخ پر بلایا گیا بلکہ اس کی خصوصیات اور کارہائے نمایاں سے بھی حاضرین کو مطلع کیا گیا، ورنہ دوسری تقریبات میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ تحسانہ انداز اور تحقیر آمیز رویہ اختیار کر کے طلباء کی عزت نفس کو مجروح کر دیا جاتا ہے، شاید اسی وجہ سے بعض طلباء میں احساس کمتری پیدا ہو جاتا ہے۔ یقیناً طلباء کی عزت نفس کو مجروح کرنے والے اور ان میں احساس کمتری پیدا کرنے والے مدارس کو دیکھ کر ہی علامہ اقبال نے کہا تھا:

گھلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا  
کہاں سے آئے صد لا الہ الا اللہ

اور دوسری بات یہ کہ جن اساتذہ کی محنت اور کوشش سے مدارس کے گلشن میں بہار آتی ہے اور بے قیمت بیج، بیش قیمت پھول بن جاتے ہیں ان کو اکثر اوقات تقریب میں فراوان شکر دیا جاتا ہے لیکن قرآن جائیں شاہ جی کی فراست کے، کہ آپ نے اساتذہ کو کچے بعد دیگرے شیخ پر بلایا، ان کا تعارف اور ان کی خدمات سے حاضرین کو مطلع کر کے ہر استاد کی خدمت میں دس، دس ہزار روپے پیش کئے گئے اور ان کی منتخو ازبوں میں 500 روپے فی کس اضافے کا اعلان کیا گیا۔ شاہ جی نے بتایا کہ ادارہ میں کوئی استاد پوسٹ گریجویشن سے کم تعلیم یافتہ نہیں اور ادارہ کے اساتذہ میں گورنمنٹ ڈگری کالج بنوں کے ریٹائرڈ پروفیسر کریم خان، صاحب علم ظاہر و باطن حافظ نور محمد ہندیالوی، یادگار اسلا ف جیر علامہ سید صادق حسین شاہ جیسے ائمہ ہرے موجود ہیں۔

اس تقریب کا حسن انتظام کچھ یوں کیا گیا کہ ہر خطاب کے بعد فارغ التحصیل علماء میں سے ایک ایک یا دو دو علماء کو بلا کر مہمانوں سے اسناد دی جاتی رہی، اس طرح علماء کو اسناد بھی دے دی گئیں اور ماحول میں بھاری پن بھی پیدا نہیں ہوا۔  
شاہ جی نے خود پہلی سند کا اعلان فرماتے ہوئے پوسٹ گریجویشن، B.ed، فاضل عربی، Spoken Arabic، Language کی اسناد رکھنے والے اور درس نظامی میں اول پوزیشن حاصل کرنے والے خوش قسمت عالم دین علامہ آصف محمود کو شیخ پر بلایا اور جی سید خضر حسین چشتی کے ہاتھوں انہیں سند عطا کی گئی۔

علامہ بشیر القادری کے خطاب، قاری عبدالغفار کی تلاوت اور علامہ آصف محمود کو پہلی سند دینے کے بعد شیخ سیکرٹری حافظ ذہیر اعوان نے نعت کے لئے قاری افضل انجم کو دعوت دی۔ نعت رسول مقبول کے بعد ان اساتذہ کو انعام و اکرام سے نوازا گیا جن کی محنت سے علماء کا یہ دستہ (بیج) تیار ہوا۔ ان میں پروفیسر کریم خان، جی سید صادق حسین شاہ، حافظ نور محمد ہندیالوی، علامہ محمد اشرف، محترم محمد لیاقت، علامہ محمد رضوان انجم، جناب عارف سہیل، اور علامہ حافظ محمد قاسم نمایاں ہیں۔

تقریب کے دوسرے خطاب کے لئے شیخ سیکرٹری نے نہایت خوبصورت اور مدلل گفتگو کرنے والے خطیب علامہ رضا عاقب مصطفائی کو دعوت دی جو درس قرآن کے حوالے سے خاصی شہرت رکھتے ہیں چنانچہ آپ کو عنوان بھی قرآن سے متعلق ہی دیا گیا۔  
علامہ رضا عاقب مصطفائی:

محمد و صلوٰۃ کے بعد آپ نے کہا کہ اس پر نور محفل میں گفتگو آزمائش اور اعزاز ہے جو ہمیشہ ساتھ رہے گا۔ آپ نے کہا کہ قرآن در مانہ لوگوں کو ہدایت کا نور دیتا ہے۔ من کے سارے روگ اور اندر کی نفاقیتیں صاف کر کے روشنیاں بانٹتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مسلمان جب

تک قرآن سے وابستہ رہا، ساری دنیا اس کی ہاتھ پیرا رہی، حضور نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ فتیوں کے دور میں پہنچنے کی صورت کیا ہے؟ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید۔ دور حاضر میں قرآن سے دوری کے لیے پربات کرتے ہوئے علامہ رضا کا قب نے کہا کہ افسوس آج قرآن سے تعلق و وابستگی سارہ گیا ہے ہم تعلیمات قرآن سے نا آشنا ہو گئے اور کتاب ہدایت کو صرف قسم اٹھانے کے لئے سمجھ لیا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ کتاب پیاریوں کو شفا دینے والی ہے، مرنے والوں کی قبروں میں نور اتارنے والی ہے۔ اس سے برکتیں حاصل ہوتی ہیں لیکن اس کا اصل مقصد تو زندگی اور حیات دینا ہے۔ افسوس کہ ہم نے قرآن سے زندگی تلاش نہیں کی، بلکہ قرآن سے مرنا ہی سیکھا۔ کاش اس کتاب ہدایت سے زندگی خریدی ہوتی، علامہ رضا کا قب نے کہا کہ اسلام کی تہذیبی قرآن اور اس کا پر یکھیل حضور ﷺ کی میرت ہے۔ قرآن کی اہمیت اور فضیلت پر بات کرتے ہوئے آپ نے حضرت جنید بغدادی کی ایک حکایت بیان فرمائی کہ حضرت جنید بغدادی نے اپنے ایک مرید کو صندوق دیتے ہوئے کہا کہ اسے دریائے دجلہ میں بہا دو لیکن صندوق کو کھول کر نہ دیکھنا۔ مرید نے صندوق پانی میں پھینکا تو پانی نے راہیں چھوڑ دیں، مرید کو شدید خواہش ہوئی کہ اس صندوق میں کیا تھا، چنانچہ اس نے واپس جا کر حضرت جنید بغدادی سے پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے 12 سال کی محنت سے تصوف پر کتاب لکھی، پھر 12 سال اس کتاب کی نوک چلک سنوارا تا رہا اور پھر 12 سال یہ سوچا رہا کہ اس کتاب کو لوگوں کے سامنے لاؤں یا نہ لاؤں تو آخر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ قرآن کے ہوتے ہوئے جنید کی کتاب کی کوئی ضرورت نہیں۔ علامہ رضا کا قب نے کہا کہ ہمیں اس کتاب کو لے کر ٹھکانا ہے اور دنیا کے کوئے کوئے میں پہنچانا ہے قرآن پاک سے وابستگی کو پختہ کریں کہ

وہ معزز تھے زمانے میں مسلمان ہو کر  
اور ہم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر

علامہ رضا کا قب کی گفتگو ختم ہوئی تو شاہ جی نے 3 علماء کو اسناد کے لئے بلایا چنانچہ علامہ مصیب کوراجہ آصف، علامہ عامر سلطان کو نامہ رضا کا قب اور علامہ یاسر فاروق علوی کو سید ضیاء الحق شاہ گیلانی کے ہاتھوں سے اسناد التعمیم کی لکھیں۔ اس دوران شاہ جی نے عقیدے پر زور دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ گستاخ رسول کا فر ہو جاتا ہے پھر شاہ جی نے بتایا کہ ادارہ کے 2 طلباء کا Nimala میں داخل کر دیا گیا، جہاں چار مہینوں کی فیس 18000 روپے ہے۔ آدمی فیس والدین ادا کریں گے اور آدمی فیس شاہ جی اپنی جیب سے ادا کریں گے۔ شاہ جی نے بتایا کہ ہمارے ادارے کے طلباء، علماء، جرائد نگینوں میں پاس ہیں، کیونکہ انہیں سمجھنے والے جانتے ہیں کہ یہ لوگ دانشور نہیں ہیں پھر شاہ جی نے خود ہی معروف عالم دین، اعلیٰ پائے کے خطیب وادیب و شاعر برجید سید حفص حسین شاہ چشتی کو منبج پر آنے کی دعوت دی۔

پیر سید حفص حسین چشتی:

آپ نے شاہ جی کو بڑے حسین اور پیارے انداز سے مخاطب کرتے ہوئے کہا:

شاہ جی! ہاں شاہ جی! عالم بناؤ جی! حاضر راہ جی! اک نکاہ جی!

ان چند الفاظ نے محفل میں ایک خاص سرور پیدا کر دیا، لوگوں کی آنکھوں میں آنسو آتے دیکھے گئے۔ آپ نے شاہ جی کی شان میں ایک قصیدہ پڑھا۔

تیری شفقت اور محبت کے ہیں چہ چہ کو بہ کو  
بس تیرے روز دروں کا غلط ہے چار سو  
تیرا ہر ہر لفظ ٹٹھکا ہے تو ہے شیریں مقال  
ہے تیرے دیاؤں میں حق و صداقت کی نمو  
تیری تقریروں میں شاہ جی ہیں ہزاروں فلسفے  
ہے علاج مرض دل سید تمہاری گفتگو  
شوخی تحریروں میں تیری گم ہے پیغام حسین  
اے ریاض سیدا جیسے سخن میں مشک بو  
ہو سراپائے جمال عزت دین رسول  
اس لئے کہ ہے رگوں میں شاہ کربل کا لبو

ہے حضرت کا راہنما تو اور استاد معین  
حضرت جعفر کے جلووں کی ہو صورت ہو بہ ہو

آپ نے کہا ایک مرتبہ امام موسیٰ کاظم سے امام احمد بن حنبل اور امام محمد طاہر کے لئے گئے۔ امام موسیٰ کاظم ان دنوں جیل میں قید تھے۔ ایک عقیدت مند سپاہی نے جاتے ہوئے امام موسیٰ کاظم سے پوچھا کہ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتائیں میں پیش کروں، آپ نے انکار فرمایا اس سپاہی کے جانے کے بعد امام موسیٰ کاظم نے فرمایا کہ یہ شخص رات کو فوت ہو جائے گا، امام محمد نے چیخا کیا تو وہ واقعی رات کو فوت ہو گیا، امام محمد واپس امام موسیٰ کاظم کے پاس حاضر ہوئے اور پوچھا کہ آپ کو کیسے علم ہوا کہ یہ سپاہی فوت ہو جائے گا تو آپ نے فرمایا کچھ علوم اللہ نے آل رسول ﷺ کے لئے خاص کر رکھے ہیں۔ پیر سید خضر حسین چشتی نے ادارہ تعلیمات اسلامیہ کے طلباء کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپ بہت خوش نصیب ہیں جو آل رسول کی معیت میں علم و دین حاصل کر رہے ہیں، ان بچوں کو مبارک ہو جو مولاعلی کے بیٹے سے علم پڑھ رہے ہیں اور جو امام حسین کے تحت جگر سے قرآن و حدیث سیکھ رہے ہیں۔

پیر سید خضر حسین چشتی کے خطاب کے دوران امیر شریف کے سجادہ نشین حضرت دیوان آل سیدی تشریف لائے اور عیرانہ سالی کے باوجود در تک محفل میں بیٹھے رہے۔ علامہ پیر سید خضر حسین چشتی کے بعد شاہ جی نے 9 فارغ التحصیل علماء کو یکے بعد دیگرے سٹیج پر بلایا جن میں علامہ محمد عثمان، جن کو شاہ جی کی ساری ساری رات خدمت کی سعادت حاصل ہے، چنانچہ علامہ محمد عثمان کو امیر شریف کے سجادہ نشین دیوان آل سیدی، حافظ اشیاق احمد کو حافظ محمد اکبر، صاحبزادہ قمر الحسن کو دیوان آل سیدی، علامہ محمد حسن اور علامہ محمد اویس کو سید امجد عزیز شاہ، علامہ غلام محی الدین کو صوفی ولی الرحمن، علامہ عمیر عارف کو عبدالرزاق ساجد، علامہ محمد منصور رشید کو حمزہ مصطفائی، علامہ عمر فہیم کو ڈاکٹر اظہر نعیم کے ہاتھوں اسناد عطا کی گئیں۔ اس کے بعد شاہ جی نے اسٹے خطاب کے لئے علامہ غلام بشیر نقشبندی کو مدعو کر دیا۔

علامہ غلام بشیر نقشبندی زب سجادہ باولی شریف:

”فیض صحبت“ کے عنوان پر بہت خوبصورت، سبق آموز اور اصلاحی خطاب کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ اس محفل میں گفتگو کرنا میری بخشش کا ساماں ہے۔ مجھے فیض صحبت پر بیان کرنا ہے اور لطف کی بات یہ کہ میں خود اس وقت فیض صحبت سے لطف اندوز ہو رہا ہوں اور شاہ جی کی موجودگی میں روحانی فیض اور سکون محسوس کر رہا ہوں۔ آپ نے آیت کریمہ **يا ايها الذين امنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين** پر حسین نکات بیان کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایمان اور تقویٰ حاصل کر لینے کے بعد اولیاء و اتقیا اور صادقین کے پاس جانے کا حکم دیا، اس لئے کہ صرف عبادت سے ایمان کو خورہ باقی رہتا ہے لیکن صوفیاء کی صحبت سے شیطانی خطروں کا ڈر نہیں رہتا، انہوں نے مولوی اشرف علی تھانوی کے حوالے سے کہا کہ جو اولیاء کی محافل میں بیٹھتے ہیں ان کا ایمان محفوظ ہو جاتا ہے، پھر ایک خوبصورت نکتہ بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں **”كونوا مع الصادقين“** کی بجائے **”كونوا مع الصادقين“** کہا یعنی پہلے بچوں کے پاس جاؤ پھر سچے بننے کی فہم آئے گی۔ انہوں نے کہا کہ اگر انسان 50 ہزار سال بھی ریاضت کرتا رہے تو اللہ کے قرب کا راستہ طے نہیں کر سکتا لیکن کسی کامل کے پاس بیٹھنے سے یہ سفر مہینوں، مہینوں بلکہ کچھ لمبی ایک ہی نشست میں طے ہو جاتا ہے۔ آپ نے کہا کہ علم ہو اور صحبت نہ ہو تو علم بیکار ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسلاف میں بڑے بڑے علماء کو ہر مقصود حاصل کرنے کے لئے کسی نہ کسی ولی کے پاس ضرور حاضر ہوتے رہے۔ ایک بہت خوبصورت بات کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آج کل دنیا میں ولی موجود نہیں۔ انہوں نے کہا کہ جب تک قرآن میں **”وكونوا مع الصادقين“** والی آیت کریمہ موجود ہے، اس وقت تک دنیا میں ولی موجود ہیں گے، ورنہ قرآنی حکم ناقابل عمل ہو جاتا ہے، پھر آپ نے کہا کہ میں صرف اپنی بخشش کے لئے کہہ رہا ہوں کہ اگر دل کی دنیا بدلتے والی شخصیت کو دیکھنا چاہتے ہیں تو شاہ جی کو دیکھ لیں، شاہ جی بولتے ہیں تو گلاب لاتے ہیں۔ باطل کو لٹکارتے ہیں تو کر بڑا سے امام حسین کی لٹکار کا جلوہ عیاں ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت نبوی میکدے کے امام سید ربیع حسین شاہ ہیں، اس ایک شخصیت میں عالم، عابد، عارف، عاشق سبھی خوبیاں جمع ہیں۔ حاضرین کو درس محبت دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ فیض صحبت حاصل کرنے کے لئے سناٹا نور پڑھیں اور رات کو سونے سے پہلے کم از کم ایک صفحہ ضرور سناٹا نور پڑھیں تاکہ فیض صحبت حاصل کر سکیں۔ انہوں نے کہا کہ اس دور کے رازی اور غزالی کی صحبت میں بیٹھنا ہوتا شاہ جی کی خدمت کریں۔

علامہ غلام بشیر نقشبندی کی چشم کشا اور محبت سے لبریز گفتگو کے بعد شاہ جی نے ایک مرتبہ پھر مایک سنبھالا اور علامہ غلام بشیر نقشبندی کی گفتگو پر تبصرہ فرماتے ہوئے کہا کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سوائے اللہ کا بندہ اور حضور کا نوکر ہونے کے، آؤ دعا کریں کہ اللہ آج کی اس بزم گفتگو پر تبصرہ فرماتے ہوئے کہا کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سوائے اللہ کا بندہ اور حضور کا نوکر ہونے کے، آؤ دعا کریں کہ اللہ آج کی اس بزم



حسن میں اپنے محبوب کے جلوہ حسن کی زیارت کراوے، پھر آپ نے علما سے اظہار محبت کرتے ہوئے کہا کہ مولانا مجھے فقیر سے پہلے ان علما و جنت کی بہاریں عطا فرما۔ میں ان علما سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما۔

پھر آپ نے یکے بعد دیگرے فارغ التحصیل علماء کو بیچ پر بلایا اور انہیں اسناد عطا کی گئیں جن میں علامہ حسین احمد کو صاحبزادہ اجمل عرفان دانش، علامہ ضیاء الرحمن (جنہیں اسی ادارہ کے لئے بطور استاد سلیکٹ کیا گیا) کو علامہ اسحاق صدیقی، تین سال شاہ جی کی خدمت کرنے والے علامہ محمد ذاکر کو علامہ محمد اسحاق صدیقی، اسی طرح علامہ مقصود الحق کو دیوان آل سیدی کے ہاتھوں اسناد عطا کی گئیں۔ شاہ جی نے اس دوران فیضیت کی کہ مجھ سے محبت کرنے والا ہر شخص اپنے چہرے پر داڑھی سجائے کہ مجھے قیامت والے دن حضور ﷺ کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ بندگی کا کمال حضور ﷺ کے قدموں میں بیٹھنا ہوتا ہے۔

دروغہ عالیہ حضرت خولہ عین الدین چشتی اجمیری کے سجادہ نشین حضرت دیوان آل سیدی بیہ اند سالی اور ناسازی طبع کے باوجود زیادہ دیر بیٹھنے سے قاصر تھے، اس لئے شاہ جی نے اپنے چچا جان یادگار اسلاف، چیکر خلوص و محبت حضرت سید عبدالمنان شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے لئے انہیں دعا کا کہا اور فرمایا کہ مجھ پر میرے چچا جی کا قرض ہے کیونکہ انہوں نے مجھے پالا، مجھ پر اپنی دولت خرچ کی تاکہ میں دین کا خادم بن جاؤں، لہذا میں حضرت دیوان آل سیدی سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ میرے چچا جی کے لئے دعا فرمائیں، چنانچہ دیوان آل سیدی نے دعا کرائی اور دعا کے بعد دیوان آل سیدی محفل سے تشریف لے گئے۔

ان کے جانے کے بعد شاہ جی نے فرمایا کہ اب میں اس فوجوان کو دعوت خطاب دینے والا ہوں جس نے سیکنڈ ایئر سے میرے ساتھ محبت شروع کی اور آج تک مجھ سے محبت کر رہا ہے یعنی:

ڈاکٹر طاہر رضا بخاری ڈائریکٹر اوقاف و مذہبی امور:

خوبصورت اور دھیمے لہجے میں مختصر گفتگو کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ 1983ء میں فیصل آباد زرعی یونیورسٹی میں شاہ جی ایک مرتبہ آئے تو اسی دن سے ان کا عقیدت مند ہو گیا۔ آپ نے کہا کہ علامہ غلام بشیر نقشبندی نے جن خیالات، درودوں اور سوز و رول کا اظہار کیا ہے اس کے بعد کچھ کہنے کی ضرورت نہیں:

میں نے جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

ڈاکٹر طاہر رضا بخاری نے اپنی گفتگو میں حسب موقع خوبصورت اشعار سجائے اور کہا کہ ہم جب بھی پریشان ہوتے ہیں تو شاہ جی کے شعر سایہ دار میں پناہ لیتے ہیں۔

ڈاکٹر طاہر رضا بخاری کی مختصر گفتگو کے بعد شاہ جی نے فرمایا کہ میں اپنی تعریف کے جملے نہیں سنتا، بس اتنا جانتا ہوں کہ کوئی مجھ سے محبت کر رہا ہے، لہذا دعا دے دیتا ہوں پھر آپ نے اپنے چچا جی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ انہیں دل و جان سے ولی تسلیم کرتا ہوں۔ وصال سے چند دن پہلے مجھے بلایا اور کہا کہ مزارات بنانا درست ہے لیکن چونکہ والد صاحب نے اپنے مزار کی اجازت نہیں دی تھی اس لئے میں بھی تمہیں مزار بنانے کی اجازت نہیں دیتا پھر شاہ جی نے فرمایا کہ میرے دادا جی نے اپنا مزار بنانے کی اجازت نہیں دی تھی اگرچہ آپ کے کئی مریدوں کے مزارات موجود ہیں اور آپ اس دور میں جامعہ الازہر مصر کے فارغ التحصیل تھے یعنی اس قدر بڑے عالم دین اور صوفی باصفاء ہونے کے باوجود گوش نشینی اور کسرتی کا سبق دیا۔

پھر شاہ جی نے یکے بعد دیگرے سات علماء کو بیچ پر بلایا جن میں علامہ محمد بشارت کورنجہ آصف، علامہ محمد عمران اختر کو ڈائریکٹر حاجی بہبود آزاد جموں و کشمیر، علامہ عظیم خان کو پیر سید خضر شاہ، علامہ سبطین خان کو پیر سید خضر شاہ، علامہ محمد منظور احمد کو مفتی اقبال چشتی، علامہ محمد عمران کو 91 مساجد بنانے والے انجیئر مشتاق احمد اور پھولوں والے بابا جی محمد سلیم، اسی طرح علامہ سید ارسلان حیدر شاہ کو پیر سید صادق حسین شاہ کے ہاتھوں اسناد عطا کی گئیں۔

ادائیگی اسناد کے بعد نعت رسول مقبول کے لئے محمد اختر بڑی کو دعوت دی گئی۔ انہوں نے نعت شریف اور جماعت اہل سنت کا ترانہ ”پکارو یا رسول اللہ“ بڑے حسین انداز میں پڑھا۔

اس کے بعد پھر شاہ جی نے بانیگ سنبھالا اور حاضرین سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ آپ لوگ دور دراز سے، محبت اور پیار کے ساتھ آئے ہیں، میں آپ کے لئے ضرور دعا کر دوں گا۔ شاہ جی نے بتایا کہ اس مرتبہ امریکہ گیا تو اللہ نے دین کا بہت کام لیا، امریکہ میں 18 دنوں کے قیام کے دوران 60 تقریبات سے خطاب کیا اور دین کا پیغام پہنچایا۔ آپ یقیناً خوش ہوں گے کہ آئندہ ربیع الاول شریف میں White

House کے اندر حضور ﷺ کا میلا دمنایا جائے گا۔ جس کا اہتمام شاہ جی کے خلیفہ اور شاگرد خاص ڈاکٹر ظفر اقبال نوری کر رہے ہیں۔ اس کے بعد شاہ جی نے مہمانوں میں تبرکات تقسیم کئے جن میں امریکہ سے آئے ہوئے عبدالقیوم صاحب کو اپنی چادر عطا کی، انگلینڈ سے آئے ہوئے مظہر بہت (جنہوں نے اجتماع کے لئے روشنی کا انتظام کیا) کو بھی چادر عطا کی گئی۔ اسی طرح وہ خوش قسمت بابا جی جو ہر تقریب میں شاہ جی پر پھول ٹاڑ کر کرتے ہیں اور اپنی محبت کا والہانہ اظہار کرتے ہیں انہیں شاہ جی نے اپنی تصحیح عطا کی۔ اس عطا پر بہت سے لوگوں نے رشک کیا اور آنکھوں میں آنسو آگئے کہ کاش اس بابا کی جگہ ہم ہوتے مگر خاص نعمتیں قسمت والوں کو ملتی ہیں۔ اتنے میں شاید ہمارے دل کی آواز شاہ جی نے سن لی کہ یہ ایک فرمایا میرا دل چاہتا ہے کہ آپ سب لوگوں کو کچھ نہ کچھ عطا کروں اور اگر ہو سکتا تو اپنے جگر کے ٹکڑے کاٹ کر دے دیتا۔ آپ کے اس جملہ نے سنگڑوں حاضرین کی آنکھوں کو بھیگنے پر مجبور کر دیا اور محفل میں موجود ہر شخص اپنی اپنی قسمت پر نازاں محسوس ہونے لگا۔ پھر شاہ جی نے ایسے خطیب کو دعوت دی جس کی شیروں والی دھاڑ باطل کے میدانوں میں جھلکے چائے رکھتی ہے میری مراد ہے

خطیب اسلام علامہ مفتی محمد اقبال چشتی ناظم اعلیٰ جماعت اہل سنت صوبہ پنجاب:

شاہ جی کو بڑے حسین انداز میں جان محفل، شان محفل، آن محفل، مفکر اسلام، مفسر قرآن، قائد ملت رسول کے القاب سے مخاطب کرتے ہوئے آیت کریمہ قد جاء حکم من اللہ لود و کتاب مبین کو عنوان بنایا اور کہا کہ اس ادارہ کا مقصد حضور کے عشق کی خوشبوئیں تقسیم کرنا ہے، مجھے یقین ہے کہ اس محفل میں سرکار کی آل کا دامن تمام کر جو مانگے گا خالی نہیں جائے گا۔

آپ نے کہا کہ ہر قرآن پڑھنے والا اعزاز کا مستحق نہیں، جو قرآن کا ترجمہ کر کے نبی سے دور کرے وہ مردود ہے اور جو قرآن کے ساتھ نبی کی محبتوں کا قصد دے اس کو اپنا محبوب جانو۔ اہل سنت کے مدارس کا یہ اعزاز ہے کہ قرآن پڑھا کر نبی کا غلام بنایا جاتا ہے، آج تک ان مدارس سے کوئی صحابہ یا اہل بیت کا گستاخ پیدا نہیں ہوا۔ انہوں نے کہا کہ تحویل قبلہ کے وقت صحابہ نے حضور ﷺ کا طواف کر کے رخ تبدیل کیا، گویا زبان حال سے کہا کہ ہم قبیلہ کے پابند نہیں بلکہ چہرہ مصطفیٰ کے پابند ہیں۔ مولائے کائنات شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ کا ذکر کرتے ہوئے مفتی اقبال چشتی نے کہا کہ مولانا علی کسی محرر کی تحریر، مقرر کی تقریر، خطیب کی خطابت اور مدرس کی تدریس کے محتاج نہیں۔ مولانا علی سے پیار جنتیوں کا کام اور مولانا علی سے جہنما منافقوں کا کام ہے۔ جو چاہتا ہے کہ ایسی زندگی جسے کہ مصطفیٰ کریم خوش ہوں، اور ایسی موت مرے جس پر حضور خوش ہوں اور اس جنت میں رہنا چاہے جس کا وعدہ خدا نے فرمایا ہے تو اسے چاہئے کہ علی سے پیار کرے۔ علی سے پیار کرنے والا عزت کی زندگی جسے کا اور عزت کی موت مرے گا۔ جنت میں رہنا چاہتے ہو تو علی سے پیار کرو۔ امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ میری بخشش کا ذریعہ آل نبی ہے۔ مفتی اقبال چشتی نے بڑی خوبصورت اور قابل رشک بات بتاتے ہوئے کہا کہ مجھے فخر ہے کہ شاہ جی نے ایک موقع پر میرا ہاتھ پکڑ کر کہا تھا کہ حشر کے دن اکٹھے ہوں گے۔ آخر میں مفتی صاحب نے کہا کہ شاہ جی کا شکر یہ ادا کرتا ہوں، کوئی ان کی مسکراہٹوں اور کوئی برستی آنکھوں کا امیر ہے۔ اللہ شاہ جی اور شاہ جی کے نقش کو یاد رکھے۔

اس کے بعد مفتی اقبال چشتی نے خود شاہ جی کو دعوت خطاب دی۔ حاضرین نے کھڑے ہو کر نعروں کی گونج میں شاہ جی کا استقبال کیا، بیچ کے درمیان رکھی ایک کرسی پر شاہ جی تشریف فرما ہوئے۔ آپ نے گفتگو کا آغاز کچھ یوں فرمایا:

مفکر اسلام مفسر قرآن پیر سید ریاض حسین شاہ مرکزی ناظم اعلیٰ جماعت اہل سنت پاکستان و بانی ادارہ تعلیمات اسلامیہ

اللہ کی تعریف و حمد و ثناء، ذکر، شکر اور اس کے محبوب کی ذات برکات پر ایسا روداد جو اس سے پہلے کسی نے نہ بھیجا ہو، آپ کی آل اور اصحاب کے حضور سلام اتمام نیک روحوں، علماء و مشائخ کو سلام! آپ سب کی مہربانی اور شکر یہ کہ آپ اس قدر رات گزر جانے کے باوجود پیار و اخلاص کی روشنی میں تشریف فرما ہیں۔ آپ نے بجلیوں کی کڑک جیسے خطاب بھی سنے اور گرتی خیموں اور پھولوں کی خوشبو جیسے دھندے انداز میں بھی گفتگو سماعت کی، اب مناسب نہیں کہ طویل دریک مخاطب رہوں۔ شاہ جی نے کہا کہ لوگو! زندگی اللہ کی امانت ہے اسے ضائع نہ کرو۔ یہ عمر امانت ہے، اسے رائیگاں نہ ہونے دو، ہم نے قبروں میں اتر جانا ہے اس نعمت کی قدر کرو، جانو، پیچانو، معرفت حاصل کرو، غور کرو، اور ان موتیوں کو دامن طلب میں محفوظ کرو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ دین کا خلاصہ دو چیزیں ہیں حکمت اور شریعت۔ شاہ جی نے کہا کہ خداوند اور نبی سے معاشرے کی بنیاد پڑی، بچے، پڑوس، خاندان بنے، معاشیات، معاشرت، سیاست، حکمت، قوانین بنے، معاش میں حلال و حرام، اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا، سفر و حضر، علم، باغت، فصاحت، شوخی و وارفتگی سب آگئے اور ان سب کا طریقہ سیکھنے کے لئے جب خداوند کریم سے دست سوال دراز کیا کہ مولا کوئی ایسی جگہ بھی ہے جہاں یہ سب اکٹھا ہو فرمایا:

میرے حضور نے جہاد کی بات کی اور یہ بات کرتے ہوئے مجھے کوئی خوف محسوس نہیں ہوتا کہ یہ تقریب مغرب میں سنی جا رہی ہے۔ یاد رکھیں! جہاد حضور کے غلام کے لئے منشور حیات ہے، شاہ جی نے وقت کی بنی پر ہاتھ رکھتے ہوئے اور حالات حاضرہ کے پیش نظر تمام حاضرین سے کہا کہ مجھے بتاؤ کہ اگر انڈیا حملہ کر دے تو جہاد کرو گے یا نہیں؟ تمام لوگوں نے نہایت جوش و خروش سے ہاتھ اٹھا کر کہا کہ جہاد کریں گے۔ شاہ جی نے کہا کہ محمد ﷺ کا غلام اپنی جان دے دے گا لیکن اپنے وطن کو نیز جی نظر سے دیکھنے نہیں دے گا۔ شاہ جی نے کہا کہ یہ میرے فہم وطن کا فرض تھا، پھر جماعت علی شاہ، کچھوچھو شریف، ماگی شریف، گوڑو شریف، سب بزرگوں نے پاکستان کے لیے قربانیاں دی، کیا تم ان بزرگوں کے غلام نہیں ہو؟ شاہ جی نے زور دیتے ہوئے اور راہ عمل منکشف کرتے ہوئے کہا کہ میرا پہلا نکتہ اور سبق یہ ہے کہ ہم اپنے وطن کے لئے ہر قربانی دیں گے۔ شاہ جی نے کہا کہ حضور کا ارشاد ہے کہ اچھی زندگی والا ایک وہ شخص ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے ہر وقت گھوڑے کی کاکم تھامے رکھے، جب بھی جہاد کے لئے نپاڑا جائے یہ جہاد کے لئے پہنچے اور کہے مولانا! یا تو اس کفر کو ختم کر کے واپس لوٹو یا یا پھر جام شہادت نوش کروں گا۔ شاہ جی نے مخاطبین سے کہا کہ اگر قلم چلا سکتے ہو تو قلم پکڑو، بول سکتے ہو تو زبان استعمال کرو، تدریس کر سکتے ہو تو پڑھاؤ، مال ہے تو مال لگاؤ اور دین رسول کا علم بلند کرو۔ جب تک ایک بھی مسلمان زندہ ہے محمد عربی کا جھنڈا سرنگوں نہیں ہونے دے گا۔

شاہ جی نے کہا کہ میرا دوسرا پیغام آپ کے نام یہ ہے کہ سنتوں کی مخالفت عروقی پر ہے تہذیب و تمدن میں یہود و نصاریٰ ہمارے حضور ﷺ کی سنتوں کی مخالفت کر رہے ہیں اگر تمہیں اتنی بات سمجھ نہیں آتی تو کم از کم یہود و نصاریٰ کی مخالفت میں حضور ﷺ کی سنتیں اپناؤ، داڑھیاں رکھو۔ یہود و نصاریٰ نے مسلمانوں کی داڑھیاں نوچیں ہیں تم داڑھیاں بڑھا کر رسول اللہ ﷺ کی سنت اپناؤ۔ خصوصی طور پر طلباء اور علماء کو نصیحت کرتے ہوئے شاہ جی نے کہا کہ میں نے اپنے محترم اور جان سے پیارے بیٹا جان کے وصال والے دن بھی تدفین سے پہلے حدیث شریف پڑھائی اس لئے کہ حضور ﷺ کا غلام کبھی رجا نہ بنیں، ہوتا دین کے لیے کمر بستہ ہو جاؤ، رات ہو تو اللہ کے آگے کھڑے ہو جاؤ اور دن ہو تو بدیوں اور برائیوں کے سوراخوں پر ہاتھ رکھو کہ ہاتھ کٹ جائیں گے لیکن بدی بڑھنے نہیں دیں گے۔ بچو! دین کے لئے سوچو، ہر آدمی سوچے کہ میں نے دین کے لیے کیا کام کیا ہے۔ قرآن مجید کی تحریک چلاؤ، درس قرآن دینے والا ہر عالم دین سوچے کہ پاکستان کی ہر مسجد میں درس قرآن ہونا چاہئے۔ شاہ جی نے فارغ التحصیل ہونے والے علماء کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ تم پر وہ دن حرام ہے جب تم کہیں درس قرآن نہ دو۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اچھی زندگی والے دوسرے شخص کے متعلق فرمایا کہ جو آدمی مکاریاں لے کر پہاڑ کی چوٹی یا درے پر چلا جائے، پھر نماز قائم کرے، زکوٰۃ ادا کرے اور اللہ کی عبادت کرے۔

یہاں شاہ جی نے تیسرا پیغام دیتے ہوئے کہا کہ خود کو لوگوں کے شر اور لوگوں کو خود کے شر سے بچاؤ۔ اپنے آپ کو نفع مند بناؤ، شر بارشیر بناؤ، اگر نفع مند ہو گے تو خدا انقلاب پیدا کر دے گا۔ ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے شاہ جی نے بتایا کہ ایک مرتبہ میں ساہیوال جا رہا تھا کہ ایک بچہ ٹرک کے پیچھے سے چوری چھپے گنا گنا کھینچ کر کھار ہوا تھا، میں نے اس بچے سے کہا کہ بچہ یہ حرام ہے، تو اس نے کہا صوفی جی! یہ بیٹھا ہے، میں نے کہا کہ اس سے بھی مٹھی ایک چیز ہے۔ اس نے کہا کہ وہ کیا چیز ہے؟ میں نے کہا کہ پڑھو یا محمد یا رسول، اس بچے نے پڑھا اور کہا کہ واقعی بہت لطف آیا ہے پھر وہ بچہ اپنے والدین سے اجازت لے کر میرے ساتھ آیا اور علم دین پڑھنے لگا اور الحمد للہ آج وہ گنا چرا کر کھانے والا بچہ عالم دین بن کر جا رہا ہے۔ شاہ جی نے یہاں الفاظ کے تیروں کا ذکر فرمایا لیکن نظروں کے تیر کو چھپا گئے۔ مگر یہ اظہار من القمیس ہے کہ اصل کام تو شاہ جی کی نظر اور ان کی مبارک زبان کے اثر نے کیا تھا کہ وہ خوش قسمت بچہ گھائل ہو گیا۔

شاہ جی نے قبلہ لا الہ جی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد بھی سنایا کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ مونگ پھلی خریدنے جاتے ہیں تو بیچنے والے سے پوچھتے بغیر دانہ اٹھا کر منہ میں ڈال لیتے ہیں، ایسا کرنا حرام ہے۔ شاہ جی نے بتایا کہ ایک شخص بدعتیہ گئی میں مبتلا تھا اس نے مجھ سے قرآن پڑھنا چاہا میں نے حامی بھر لی، پھر ایک دن اس نے مجھ سے پوچھا کہ مجھے کتنے عرصہ بعد فارغ کریں گے میں نے کہا کہ سات سال بعد اس نے لوگوں سے کہنا شروع کر دیا کہ سات سال بعد میں مرجاؤں گا۔ لوگوں نے پوچھا کیسے؟ تو کہنے لگا کہ شاہ جی کے منہ سے سات سال کا اظہار ہے لہذا مجھے یقین ہے کہ سات سال ہی میری زندگی ہوگی، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ شخص سات سالوں بعد ہی مر گیا، لیکن اللہ کا شکر کہ بدعتیہ گئی سے تائب ہو کر سچا پکا حضور کا غلام بن چکا تھا۔

شاہ جی نے دینی علم کے حصول کی دعوت دیتے ہوئے کہا کہ اگر کوئی جدید تعلیم یافتہ گریجویٹ شخص حضور کے دین کا علم پڑھنا چاہے تو میں

اس کی تین چار ہزار روپے ماہوار خدمت بھی کروں گا تاکہ وہ توجہ سے علم حاصل کر سکے۔ شاہ جی نے بتایا کہ پہلے مزہدوروں کو مزہدوری دے کر قرآن پڑھایا کرتا تھا۔ انگلینڈ میں رہنے والے ایک ڈاکٹر نے شاہ جی سے کہا کہ برطانوی حکومت نے برطانیہ چھوڑنے کا حکم دیا ہے۔ آپ میرے لئے مدینہ شریف جا کر دعا کریں۔ چنانچہ اس نے ٹکٹ کا انتظام بھی کر دیا، میں نے مدینہ شریف جا کر حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! شرمندہ ہوں کسی کے خرچے پر آیا ہوں۔ آپ اس کا کام کر کے مجھے شرمندگی سے بچالیں، تو میں ابھی مدینہ شریف میں ہی تھا کہ اس ڈاکٹر صاحب کا فون آگیا انہوں نے بتایا کہ ایک برطانوی منسٹر کے ذریعے اطلاع ملی ہے کہ برطانوی حکومت نے آئر کے ساتھ انگلینڈ کی شہریت Nationality کی اجازت دے دی ہے۔ شاہ جی نے کہا کہ دراصل اگر ایمان پکا ہو تو دوزخ کے شعلے بھی جنت بن جاتے ہیں۔ شاہ جی نے پھر اپنے مخالفین کو توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ صوفی بن جاؤ یا پھر مجاہد بن جاؤ۔ کسی مرد صالح کے پاس بیٹھو اور اللہ کا ذکر کرو۔ بھروسہ اللہ کی ذات پر رکھو۔ شاہ جی نے بتایا کہ دورہ حدیث شریف کی اگلی کلاس میں میں طلباء ہیں دعائیں کریں کہ اللہ تکمیل کی توفیق دے۔ امید ہے کہ آپ یہ باتیں دل میں رکھیں گے۔ علماء کرام کو اس محفل میں دیر تک بیٹھنے سے جو تکلیف ہوگی اس پر معذرت خواہ ہوں۔

تقریر کے بعد شاہ جی نے درود شریف پڑھوایا، غنی ذکر کیا گیا اور پھر ڈاکٹر سرفراز سیفی کی دعا سے اس نورانی، وجدانی، روح پرور، سہتی آموز اور دیر تک یاد رہنے والی تقریب کا اختتام ہو گیا۔ اختتام کے بعد حاضرین کو دوبارہ کھانا کھلایا گیا۔ اکثر لوگ کھانا کھا کر اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہوئے جبکہ کچھ لوگ رات وہیں قیام کر کے صبح ناشتہ کے بعد دوبارہ سے رخصت ہوئے۔

اس محفل میں آنے والوں نے بیش بہا قیمتی موتی اپنی اپنی جھولیوں میں حاصل کئے۔ شاہ جی کی زیارت کی، علماء اور صوفیاء کی صحبت حاصل کی، شاہ جی کے فیض صحبت سے ہمکنار ہوئے، علماء کی پرسوز باتیں سنیں، شاہ جی کی مبارک زبان سے نکلنے والے دلدوز نغموں کو پردہ سماعت پر آویزاں کیا۔ المختصر یہ کہ انعامات اللہ نے اپنے محبوب بندوں کے طفیل اس محفل کے شرکاء پر ارزاں کئے۔ علامہ غلام بشیر نقشبندی کے جیل پر بات ختم کرتا ہوں کہ قبر کے اندر اور قیامت والے دن اس محفل کی قدر کا علم ہوگا اور پھر اس وقت خواہش ہوگی کہ کاش یہ ”سالانہ اجتماع“ کی بجائے ”روزانہ اجتماع“ ہوتا۔



علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کے موقع پر خطاب فرما رہے ہیں



جماعت اہل سنت کی مرکزی انتظامیہ، سیکرٹریٹ کی ایڈوائزری کونسل اور سنی سپریم کونسل کا مشترکہ اجلاس



مجلس تهنیت و پذیرایی از هیئت مدیره و اعضای هیئت مدیره



مجلس تهنیت و پذیرایی از هیئت مدیره و اعضای هیئت مدیره



سالانہ جلسہ تحریک انصار داروہ تعلیمات اسلامیہ راولپنڈی شہنشاہ 27 دسمبر 2008



















سالانہ جلسہ تحسین اُستاد اداوارہ تعلیمات اسلامیہ راولپنڈی منعقدہ 27 دسمبر 2008









